ستمبر 1996

ستمبر 1996

تدبر لاہور

مولانا امین احسن اصلاحی

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

لاھور۔ پاکستان

نئی اشاعت

امام حمید الدین فراہی علیہ الرحمتہ کی مندرجہ ذیل تالیف مطالعہ فرمایئے

حکمت قرآن

موضوعات :

امام فراہیؒ کا تصور حکمت
حکمت کی اصل اور اس کی فروع
حکمت اور قرآن حکیم
دین اسلام کا نظام
دین اسلام کی بنیادیں

حکمت کا مفہوم
حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول
حکیم کا طرز فکر و تعلیم
مذاہب پر غور کا طریقہ

ترجمہ = خالد مسعود   قیمت = 75/- روپے

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ - اچھرہ' لاہور 54600
فون = 7595200

اسباق النحو

مصنف :- خالد مسعود

- امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم، فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔
مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت : 36 روپے
شائع کردہ : ادارہ تدبر قرآن و حدیث   مسلم کالونی رحمان سٹریٹ سمن آباد لاہور

تدبر لاہور

زیرِ نگرانی :
مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر :
خالد مسعود

ستمبر 1996ء
شمارہ نمبر 54
ربیع الثانی 1417ھ

مجلسِ ادارت :
عبداللہ غلام احمد
ماجد خاور
محبوب سبحانی
سعید احمد

قیمت : -/10 روپے
سالانہ : -/40 روپے
بیرون ملک : -/200 روپے

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

مولانا بدر الدین احمد مرحوم	خالد مسعود	2
مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف	〃	3

تدبر قرآن

تفسیر سورہ مریم	خالد مسعود	5

تدبر حدیث

وضو کے آداب	امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی	14
قتل عمد کے احکام	امین احسن اصلاحی / سعید احمد	27

مقالات

رسول اللہؐ کی دعوت کے مکی دور میں اہل کتاب کا کردار		33
انجیلوں میں آسمانی بادشاہت کا مفہوم		43

ناشر : اِدارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبعہ : المطبعۃ العربیۃ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

مولانا بدر الدین اصلاحی مرحوم

یہ خبر دینی و علمی حلقوں میں بالعموم اور فراہی فکر سے تعلق رکھنے والوں میں بالخصوص نہایت افسوس سے سنی جائے گی کہ دائرہ حمیدیہ اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ (انڈیا) کے ناظم مولانا بدر الدین اصلاحی 19 جون 1996 کو اپنے آبائی گاؤں نیاوج ضلع اعظم گڑھ میں انتقال کر گئے۔ برسوں سے انھیں پاؤں میں درد کی شکایت تھی۔ اس کے علاج میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مگر تکلیف تھی کہ کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئی۔ بالآخر مولانا کے لیے چلنا پھرنا ممکن نہ رہا اور وہ صاحب فراش ہو گئے۔ یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔

مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ' کے سرائے میر کے شاگردوں میں مولانا بدر الدین کو اس اعتبار سے نمایاں مقام حاصل ہوا کہ انھوں نے مدرسہ اور فکر فراہی دونوں کی طویل مدت تک خدمت کی۔ مدرسۃ الاصلاح کے اغراض و مقاصد ان کو بے حد عزیز تھے جن میں تبدیلی کو انھوں نے اپنے طویل دور نظامت میں کبھی گوارا نہ کیا۔ ان کی خاطر انھوں نے جس ایثار و قربانی سے کام لیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ مدرسہ کی نظامت ان کے پاس حاجی رشید الدین انصاری' کے انتقال کے بعد آئی۔ حاجی صاحب کی زندگی میں جب مدرسہ کا انتظام دگرگوں ہو گیا تو انھوں نے مولانا بدر الدین کو اپنا نائب مقرر کیا۔ انھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی محنت اور خوش انتظامی کے باعث تمام مشکلات پر قابو پالیا اور مدرسہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ جب ناظم ہو گئے تو اپنے دور نظامت میں برابر مدرسہ کو ترقی دیتے رہے اور آج یہ مدرسہ جدید عمارات اور سہولتوں سے آراستہ ہے۔ یہ ترقی صرف مادی ہی نہیں بلکہ مدرسہ کی عظمت و وقار اور شہرت کی ترقی بھی ہے۔

مدرسہ کا کام تو انتظامی نوعیت کا تھا' علمی میدان میں بھی مولانا نے انمٹ نقوش چھوڑے۔ 1936 میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کے مسودات کو محفوظ کرنے' ان کو شائع کرنے اور ان کے تراجم کے لیے دائرہ حمیدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ نے اسی زمانہ میں مولانا فراہی کی چیدہ تفاسیر اور کتب کے اردو تراجم کیے اور علمی افکار کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ الاصلاح کے نام سے جاری کیا یہ رسالہ تین سال جاری رہ سکا لیکن اس عرصہ میں تراجم اور قرآنیات کے موضوع پر خاصا کام اس میں ہو گیا۔ بکثرت نہایت بلند پایہ تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔ الاصلاح کے مضمون نگاروں میں مولانا بدر الدین بھی شامل تھے۔ مولانا امین احسن سرائے میر سے چلے گئے تو مولانا فراہیؒ کا ذخیرہ

علمی مولانا اختر احسن مرحوم کی حفاظت میں رہا۔ انھوں نے اپنی وفات سے قبل یہ امانت مولانا بدر الدین کے حوالہ کی جنھوں نے تقریباً 35 سال پر محیط اپنے دور نظامت میں تقریباً ہر وہ مسودہ شائع کر دیا جس کو انھوں نے مکمل سمجھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے وہ کتابیں نئے سرے سے طبع کروا دیں جو دستیاب نہ تھیں۔ مولانا نے ہر کتاب پر محنت کی' اس کو ایڈٹ کیا اور اس پر فاضلانہ مقدمہ لکھا۔ یہ فکر فراہی کی بہت بڑی خدمت تھی جس کی توفیق مولانا کو ملی۔

مولانا بدرالدین دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ تقریر و خطابت پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ ان کی گفتگو موثر' مدلل' دلنشین اور شگفتہ ہوتی۔ ان کا تعلق ایک خوشحال زمیندار گھرانے سے تھا لہٰذا انھوں نے ملازمت یا درس و تدریس کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی اور مدرسہ اور دائرہ حمیدیہ کی خدمت بھی اعزازی طور پر کی۔ اپنی زمین کے انتظام اور جائداد کے جھگڑوں کو نمٹانے کی مصروفیت کے باوجود انھوں نے زندگی میں ایک توازن قائم کیا اور مطالعہ کا شوق برقرار رکھا۔ مقصد سے ان کے لگاؤ کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود اکتوبر 1991ء میں سرائے میر میں منعقدہ امام فراہی سیمینار میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیا۔

مولانا بدرالدین کی وفات سے مدرسۃ الاصلاح اور دائرہ حمیدیہ دونوں ادارے ایک ایسے نقصان سے دوچار ہوئے ہیں جس کی تلافی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی نیکیوں اور دینی خدمات کو قبول فرمائے اور آخرت میں ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف

27 جون 1996 کو ہمارے ملک کے ایک مخلص و باہمت خادم دین ــــ مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف ــــ فیصل آباد میں انتقال کر گئے۔ آپ دینی حلقوں میں ایک متحرک شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ ان کا اخلاص عالم شباب میں ان کو جماعت اسلامی میں لے گیا جہاں بعد میں وہ قائدین کی صف میں شمار ہونے لگے۔ 1956 میں ارکان جماعت کی اخلاقی حالت کا جائزہ لینے والی ایک کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے بے لاگ رائے دینے کے جرم میں بعض دوسرے اکابرین جماعت کے ساتھ انھیں جماعت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اس علیحدگی کے بعد اپنی ذاتی حیثیت میں انھوں نے اپنے لیے ایک کثیر الجہتی لائحہ عمل تیار کیا۔ فیصل آباد میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ قائم کیا جس کی خصوصیت قدیم و جدید علوم کا حسین امتزاج ہے۔ اس ادارہ میں عربی کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا اور طلبہ و اساتذہ دونوں کو عربی میں گفتگو کا پابند کیا گیا۔ اس کے علاوہ تعمیر سیرت پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی۔ اس وقت شہر میں جامعہ کی دو شاخیں کام کر رہی ہیں۔

مولانا مرحوم نے المنیر کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس پر حکومت نے پابندی عائد کر دی

تو دوسرا رسالہ المنبر کے نام سے جاری کر دیا جو آج تک شائع ہو رہا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی تفسیر تدبر قرآن کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز انہی کے رسالہ میں ہوا۔ مولانا مرحوم رسالہ کے ہتھیار کو لادینیت' قادیانیت اور غلط حکومتی اقدامات پر تنقید کے لیے خوب خوب استعمال کرتے رہے۔ ضیاء الحق مرحوم کی اسلام سے محبت کے اظہار نے ان کو صدر کا گرویدہ بنا دیا۔ انھوں نے ان سے اپنے قرب کو صدر کے ہاتھوں دین کے لیے بعض ٹھوس کام کروانے کے لیے استعمال کیا۔ صدر نے جب عدالتوں میں قاضیوں کی تعیناتی کی اسکیم تیار کی تو اس کے افراد کی تیاری کے لیے مولانا مرحوم نے فیصل آباد میں ایک ادارہ قاضی انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کر دیا۔

مولانا زندگی بھر بے حد فعال رہے۔ وہ دین کے لیے انتھک محنت کے قائل تھے۔ شائد 1955ء میں مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ' نے ان کی معیت میں حج کیا تو واپسی پر برملا اس بات کا اظہار کیا کہ حکیم صاحب حج کے سفر کے دوران ہر مرحلہ میں عزیمت کی راہ اختیار کرتے اور آسانی سے اولیت و افضلیت کا ثواب چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ انھوں نے اپنی فعالیت سے اپنے پیشہ طبابت کو بھی محروم نہیں رکھا۔ طب اسلامی کی تعلیم و ترویج کے لیے انھوں نے طیبہ کالج بنایا اور معیاری ادویہ سازی کے لیے اشرف لیبارٹریز قائم کیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خدمات کو حسن قبول بخشے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ مریم

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

کھٰیٰعص۔ یہ تیرے رب کے اس فضل کی یاددہانی ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کیا[1]○ جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا○ اس نے دعا کی اے میرے پروردگار! میرے اندر سے میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا اور اے میرے رب میں تجھے پکار کے کبھی محروم نہیں رہا○ میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو تو اپنے پاس سے مجھے ایک وارث بخش جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کی روایات کا بھی۔ اور اے رب! اس کو پسندیدہ اخلاق بنائیو[2]○۶

اے زکریا ہم تمھیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہو گا۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی نظیر نہیں بنایا[3]○ اس نے کہا اے میرے خداوند! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا' میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کی بے بسی کو پہنچ چکا ہوں○ فرمایا' ایسا ہی ہو گا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔ میں نے اس سے پہلے تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ تم کچھ بھی نہ تھے[4]○ اس نے کہا' اے میرے خداوند! میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا دیجیے[5]۔ فرمایا' تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین شب و روز لوگوں سے بات نہ کر سکو گے درآنحالیکہ تم بالکل تندرست ہو گے○ پس وہ محراب عبادت سے نکل کر اپنے لوگوں کے پاس آیا اور ان سے اشارہ سے کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کرو[6]○۱۱

اے یحیٰی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں قوت فیصلہ عطا فرمائی○ اور خاص اپنے پاس سے سوز و گداز اور پاکیزگی۔ اور وہ نہایت پرہیزگار تھا○ اور وہ اپنے والدین کا فرماں بردار تھا' سرکش و نافرمان نہ تھا○ اس پر سلامتی ہے جس روز وہ پیدا ہوا' جس دن وہ مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا[8]○۱۵

اور کتاب میں مریم کی سرگزشت کو یاد کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب کی جگہ میں جا بیٹھی○ پس اس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کر لیا تو ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو اس کے سامنے ایک کامل بشر کی صورت میں نمودار ہوا○ وہ بولی کہ اگر تم کوئی خدا ترس آدمی ہو تو میں تم سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں[9]○ اس نے کہا میں تو تمھارے رب ہی کا فرستادہ ہوں تاکہ تمھیں ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں○ وہ بولی میرے لڑکا کیسے ہو گا' نہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ لگایا اور

نہ میں کوئی چھنال ہوں[10] ○ اس نے کہا یوں ہی ہو گا۔ تیرے رب کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔ اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ (وہ ہمارا رسول ہو) اور ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنی ایک نشانی اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنائیں۔[11] اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔ ○ ۲۱

پس اس نے اس کا حمل اٹھا لیا اور وہ اس کو لے کر ایک دور کے مقام کو چلی گئی ○ بالآخر یہ ہوا کہ دردِ زہ اس کو کھجور کے تنے کے پاس لے گیا۔ اس وقت اس نے کہا' اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر کھپ کے بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی[12] ○ ۲۳

پس (کھجور کے) نیچے سے فرشتہ نے اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو۔ تمھارے پائیں سے تمھارے پروردگار نے ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے ○ اور تم کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ' تم پر تر و تازہ خرمے جھڑیں گے ○ پس کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اور اگر کوئی آدمی متعرض ہو تو اس سے اشارے سے کہہ دیجیو کہ میں نے خدائے رحمان کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے[13] تو آج میں کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتی ○ ۲۶

پس وہ اس کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ لوگوں نے کہا' مریم! تم نے تو یہ نہایت عجیب حرکت کر ڈالی ○ اے ہارون کی بہن[14]! نہ تمھارا باپ ہی کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمھاری ماں ہی کوئی چھنال تھی ○ ۲۸

اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے کس طرح بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے ○ بچے نے جواب دیا' میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ ○ اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے سرچشمہ خیر و برکت ٹھہرایا ہے۔ اور جب تک جیوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت فرمائی ہے ○ اور مجھے ماں کا فرمانبردار بنایا ہے' مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا ہے ○ مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا' جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا[15] ○ ۳۴

یہ ہیں عیسیٰؑ ابن مریم۔ یہ اصل حقیقت بیان ہوئی ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں ○ خدا کے شایان نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کو فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے[16] ۳۵

اور بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے ○ ۳۶

پس ان کے اندر سے مختلف فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ تو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا ایک ہولناک دن کی حاضری کے باعث ہلاکی ہو گی[17] ○ جس دن یہ ہمارے حضور میں حاضر ہوں گے بڑے شنوا اور بڑے بینا ہو جائیں گے لیکن آج یہ ظالم نہایت کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ○ اور ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے آگاہ کر دو جب کہ معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ غفلت

میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں ○ بے شک زمین اور روئے زمین پر بسنے والوں کے وارث ہم ہوں گے اور سارے لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے[18] ○ ۴۰

اور کتاب میں ابراہیمؑ کی سرگزشت کو یاد کرو۔ بے شک وہ راست باز اور نبی تھا ○ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں' نہ دیکھتی ہیں اور نہ وہ کچھ آپ کے کام آنے والی ہیں ○ اے میرے باپ! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے تو آپ میری پیروی کریں' میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا ○ اے میرے باپ' شیطان کی پرستش نہ کیجیے۔ شیطان خدائے رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے ○ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو خدائے رحمان کا کوئی عذاب آ پکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں[19] ○ ۴۵

وہ بولا' اے ابراہیمؑ! کیا تم میرے معبودوں سے برگشتہ ہو رہے ہو! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگسار کر دوں گا۔ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور اور دفع ہو ○ ۴۶

ابراہیمؑ نے کہا' اچھا میرا سلام! میں آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت مانگوں گا' وہ میرے حال پر بڑا ہی مہربان ہے[20] ○ میں آپ لوگوں کو اور ان چیزوں کو جن کو آپ لوگ خدا کے ماسوا پوجتے ہیں' چھوڑ کر علیحدہ ہو رہا ہوں اور صرف اپنے رب ہی کی بندگی کروں گا۔ امید ہے کہ اپنے رب کی بندگی کر کے میں محروم نہیں رہوں گا ○ ۴۸

پس جب وہ ان کو اور ان چیزوں کو جن کو وہ خدا کے ماسوا پوجتے تھے چھوڑ کر الگ ہو گیا تو ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا کیے اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا اور ان کو اپنے فضل میں سے حصہ دیا اور ان کو نہایت پائیدار شہرت عطا فرمائی[21] ○ ۵۰

اور کتاب میں موسیٰؑ کی سرگزشت کو یاد کرو۔ بے شک وہ برگزیدہ اور رسول اور نبی تھا ○ اور ہم نے اس کو طور کے مبارک کنارے سے آواز دی اور رازو سرگوشی کے لیے اس کو قریب کیا ○ اور ہم نے اپنے فضل سے اس کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر اس کو دیا[22] ○ ۵۳

اور کتاب میں اسماعیلؑ کی سرگزشت کو یاد کرو' بے شک وہ وعدے کا پکا اور رسول اور نبی تھا ○ وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا[23] ○ ۵۵

اور کتاب میں ادریسؑ کو یاد کرو۔ بے شک وہ راست باز اور نبی تھا ○ اور ہم نے اس کو رتبہ بلند پر پہنچایا ○ ۵۷

یہ لوگ ہیں جن پر' اللہ نے نبیوں میں سے' اپنا فضل فرمایا آدمؑ کی اولاد میں سے' اور ان لوگوں کی نسل میں سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کرایا' اور ابراہیمؑ و اسرائیل کی اولاد میں سے' اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور جن کو برگزیدہ کیا۔ جب ان کو خدائے رحمان کی آیتیں سنائی جاتیں تو سجدہ کرتے اور روتے ہوئے گر پڑتے ○ پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین اٹھے جنھوں

نے نماز ضائع کر دی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے تو یہ لوگ عنقریب اپنی گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے[24]○ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو توبہ کر لیں گے اور ایمان و عمل صالح کی روش اختیار کریں گے۔ یہی لوگ ہوں گے جو جنت میں داخل ہوں گے[25] اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ ہو گی ○ ہمیشگی کے باغ جن کا خدائے رحمان نے اپنے بندوں سے عالم غیب میں وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا ○ یہ اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ بس تحیت ہی تحیت ہو گی۔ اس میں صبح و شام ان کا رزق مہیا ہو گا ○ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے ان کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں گے[26]○ ۶۳

اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ ہمارے آگے اور پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب اسی کے اختیار میں ہے اور آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے[27]○ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک وہی ہے تو اسی کی بندگی کرو اور اسی کی بندگی پر جمے رہو۔ کیا تم اس کی کسی اور نظیر سے آشنا ہو ○ ۶۵

اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا ○ کیا یہ انسان اس بات کو نہیں سوچتا کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا درآنحالیکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ○ پس تیرے رب کی قسم! ہم ان کو بھی اور شیطانوں کو بھی ضرور اکٹھا کریں گے پھر ہم ان کو جہنم کے گرد اس طرح حاضر کریں گے کہ وہ دو زانو بیٹھے ہوئے ہوں گے ○ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو چھانٹ کر الگ کریں گے جو خدائے رحمان سے سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے رہے ہوں گے[28]○ پھر ہم ان لوگوں کے سب سے زیادہ جاننے والے ہوں گے جو اس جہنم میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ سزا وار ہوں گے ○ (اور ان کو حکم دیں گے) کہ تم میں سے ہر ایک کو بہرحال اس میں داخل ہونا ہے۔ یہ تیرے رب کے اوپر ایک طے شدہ امر واجب ہے[29]○ ۷۱

پھر ہم ان لوگوں کو نجات بخشیں گے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہو گا اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کو اسی میں اکڑوں بیٹھے چھوڑ دیں گے[30]○ ۷۲

اور جب ان کو ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کر رکھی ہے وہ ایمان لانے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ فریقین میں سے اپنے مرتبہ اور سوسائٹی کے اعتبار سے کون بڑھ کر ہے ○ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر چھوڑیں جو ان سے سازو سامان اور شان و شوکت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں ○ ان سے کہہ دو کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں تو خدائے رحمان کی شان یہی ہے کہ ان کی رسی اچھی طرح دراز کرے۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے' خواہ عذاب دنیا یا قیامت' ___ ان کو پتہ چل جائے گا کہ درجے کے اعتبار سے کون بدتر اور حمائتیوں کے اعتبار سے کون کمزور تر ہے[31]○ ۷۵

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے جو ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور باقی

رہنے والے اعمال صالحہ اجر کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور مآل کار کے اعتبار سے بھی خوش انجام ہیں ○ ۷۶

بھلا دیکھا تم نے اس کو جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ میں آخرت میں بھی مال اور اولاد سے نوازا جاؤں گا[32]○ کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے یا خدائے رحمان سے کوئی عہد کرا لیا ہے ○ ہرگز نہیں' جو کچھ وہ بکتا ہے ہم اس کو نوٹ کر رکھیں گے اور اس کے عذاب میں مزید اضافہ کریں گے ○ اور جن چیزوں کا وہ مدعی ہے اس کے وارث ہم بنیں گے اور وہ ہمارے پاس یکہ و تنہا حاضر ہو گا ○ ۸۰

اور انھوں نے اللہ کے ماسوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے پشت پناہ بنیں ○ ہرگز نہیں' وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے عدو بنیں گے ○ ۸۲

تم نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ دیا ہے' وہ انھیں خوب خوب اکسا رہے ہیں ○ تو تم ان کے فیصلے کے لیے جلدی نہ کرو۔[33] ہم ان کے لیے اچھی طرح گنتی کر رہے ہیں ○ ۸۴

یاد کرو جس دن ہم خدا ترسوں کو خدائے رحمان کی طرف وفد وفد لے جائیں گے ○ اور مجرموں کو جہنم کے گھاٹ کی طرف ہانکیں گے پیاسے ○ اس دن کسی کو شفاعت کا اختیار نہیں ہو گا مگر اس کو جس نے اللہ کے پاس کوئی عہد حاصل کر لیا[34]○ ۸۷

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے اولاد بنا رکھی ہے ○ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں' زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں ○ کہ انھوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی[35]○ اور یہ بات خدا کے شایان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے ○ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدائے رحمان کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے[36]○ سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور اچھی طرح گن رکھا ہے ○ اور ان میں سے ہر ایک اس کے حضور یکہ و تنہا حاضر ہو گا ○ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے خدائے رحمان مہر و محبت پیدا کر دے گا[37]○ ۹۶

پس ہم نے اس کتاب کو تمھاری زبان میں اس لیے سہل و سازگار بنایا کہ تم خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دو اور جھگڑالو قوم کو آگاہی سنا دو ○ اور ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا ان کی کوئی آہٹ سنتے ہو[38]○ ۹۸

حواشی

مضمون : خدا کے پیغمبروں کا لایا ہوا دین توحید ہی ہے۔ ان کے ناہنجار پیروؤں نے خدا کی اولاد مان کر شرک کو رواج دیا۔ یہ لوگ اہل ایمان کے مقابل میں اپنی دنیوی کامیابیوں کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خدا کی طرف سے ان کے لیے ڈھیل ہے۔ تم صبرو استقامت کے ساتھ اپنا کام کیے جاؤ اور نتائج خدا پر چھوڑو۔

1- یعنی اہل کتاب کے نادانوں نے تو یہ سرگزشت فراموش کر رکھی ہے لیکن ہم اس کی یاددہانی کرا رہے ہیں تاکہ تم اور وہ اس سے بہرہ مند ہوں۔

2- مطلب یہ کہ جہاں تک ظاہری اسباب و حالات کا تعلق ہے وہ تو ناپید ہیں' لیکن میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں لوٹا۔ اس لیے تو اپنے فضل خاص سے مجھے ایک وارث عطا فرما جو میری اور آل یعقوب کی ان دینی روایات کو قائم رکھ سکے جو اس پاکیزہ خاندان کا سرمایہ امتیاز ہیں۔ میرا یہ وارث ان کمزوریوں سے پاک ہو جو اب اس خاندان میں در آئی ہیں۔

3- یعنی بوڑھے اور بانجھ بیوی کے ہاں اولاد ہونے کی کوئی نظیر موجود نہیں لیکن ہم تمھیں ایسی بے نظیر اولاد دیں گے۔

4- یعنی جس خدا نے عدم محض سے انسان کو وجود بخشا اس کے لیے تمھیں اولاد عطا کرنا کیا مشکل ہے۔

5- نشانی کی درخواست کا مقصد یہ تھا کہ پورا اطمینان ہو جائے کہ یہ بشارت رب ہی کی طرف سے ملی ہے' اس میں نفس یا شیطان کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہاتف غیب کی باتیں قبول کرنے کے معاملہ میں انبیاء کرام بڑی احتیاط برتتے تھے۔

6- یعنی تم مسلسل تین شب و روز لوگوں کے ساتھ کلام نہیں کر سکو گے لیکن تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ ظاہر ہے کہ ذکر الٰہی پر قادر ہونا شیطانی کام نہیں ہو سکتا۔

7- یہاں یہ مضمون محذوف ہے کہ بالآخر وعدہ الٰہی کے مطابق یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے' سن رشد کو پہنچے' ان کو نبوت عطا ہوئی اور وہ تورات کے حامل ہوئے۔

8- یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس دنیا نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا کیا' لیکن خدا کے ہاں ہر مرحلہ میں اس کے ساتھ جو معاملہ ہوا یا ہوگا وہ مبارک سلامت کا ہے۔

حضرت یحییٰؑ نے اپنی خارق عادت ولادت کے باوجود نہ خود الوہیت کا دعویٰ کیا نہ کسی دوسرے نے ان کو الٰہ بنانے کی کوشش کی جبکہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی ایسی ہی ولادت کو ان کی الوہیت کی دلیل بنا لیا۔ یہ بات واضح کرنے کے لیے حضرت یحییٰؑ کی ولادت کے واقعہ کو آگے آنے والے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے واقعہ کی تمہید بنایا ہے۔

9- اس زمانے کے بیت المقدس میں ہیکل کا جو حصہ عورتوں کے اعتکاف و عبادت کے لیے خاص تھا وہ مشرقی سمت ہی میں تھا۔ اس حصہ میں حضرت مریمؑ معتکف ہو گئیں۔ فرشتے کا بشری روپ میں آنا حضرت مریمؑ کے امتحان کے لیے تھا اور وہ امتحان میں کامیاب رہیں۔ انھوں نے جس کردار کا مظاہرہ کیا وہ بے مثال ہے۔

10- حضرت مریمؑ کے یہ الفاظ بائبل کی اس روایت کی مکمل تردید کرتے ہیں کہ ان کا نکاح یوسف نامی کسی شخص سے ہوا تھا۔ سورہ آل عمران کے مطابق مریمؑ اپنی والدہ کی منت کے مطابق ہیکل کی خدمت کے لیے وقف تھیں۔ اس وجہ سے ان کے نکاح اور بیاہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

11- حضرت عیسیٰؑ کی خارق عادت ولادت قیامت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسباب کے بغیر لوگ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے کس طرح دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔

12- یہ ایک پاکیزہ گھرانے کی کنواری عفیفہ کے اس موقع کے احساسات کی تعبیر ہے۔ انھوں نے فرمایا اے کاش اس قصے سے پہلے ہی میں مرگئی ہوتی' صرف مری نہ گئی ہوتی بلکہ لوگوں کے حافظہ سے میری یاد بھی محو ہو چکی ہوتی۔

13- یہود کی شریعت میں خاموشی کا بھی روزہ تھا اور یہ ہر حال میں رکھا جا سکتا تھا۔

14- ہارون سے مراد حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارون نہیں ہیں بلکہ حضرت مریمؑ کے خاندان ہی کے لوگوں میں سے کسی نیک شہرت رکھنے والے شخص کا نام ہے۔

15- حضرت مریمؑ جس امتحان میں ڈال دی گئی تھیں اس سے پوری عزت اور سرخروئی کے ساتھ عہدہ برا ہونے کے لیے ضروری تھا کہ گود کا بچہ ہی ان کی پاک دامنی اور اپنی وجاہت کی شہادت دے تاکہ کسی کے لیے اس کے بعد لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ سے متعلق ان کی زندگی اور موت کے ہر مرحلہ میں مبارک سلامت کی بشارت دی اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے خود اپنی زبان سے اپنی ولادت' موت اور بعثت کے ہر مرحلہ میں اپنے لیے قدوسیوں کے سلام و تحیت کی خبر دی۔

16- یہ نصاریٰ کے اس شرک کی تردید ہے جس میں وہ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ اور حضرت مریمؑ کو ابن اللہ کی ماں فرض کرکے مبتلا ہوئے۔ فرمایا ایک سادہ سی حقیقت کو نہ سمجھ کر انھوں نے اس کو ایک معمہ بنا کر رکھ دیا ہے حالانکہ خدا کی صفات کے یہ بات بالکل منافی ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ اس قسم کی تمام نسبتوں سے بالکل پاک ہے۔

17- یہ حاضری وہ ہے جس میں حضرات انبیاء قیامت کے روز اپنی اپنی امتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ شہادت دیں گے کہ انھوں نے تو توحید کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچایا تھا لیکن امتوں نے بعد میں اپنے طور پر اس میں تبدیلیاں کر دیں اور گمراہ ہوئے۔ اس شہادت کی تفصیل سورہ مائدہ کے آخری دو رکوعوں میں آ چکی ہے۔

18- یعنی اس دن زمین اور اہل زمین سب کا مالک اللہ ہو گا اور سب کی پیشی اسی کے سامنے ہو گی۔ اسی کا فیصلہ سب پر نافذ ہو گا۔

19- حضرت ابراہیمؑ کی تقریر کے بنیادی نکات یہ ہیں کہ کسی کو معبود بنا لینا کوئی شوق اور تفریح کی چیز نہیں ہے۔ خدا کو ماننا تو اس لیے ضروری ہے کہ وہی ہماری دعا و فریاد کو سنتا اور ہر مشکل میں دستگیری فرماتا ہے۔ دوسری چیزیں ہماری کون سی احتیاج کو پورا کرتی ہیں۔ پھر خدا کے معاملہ میں یہ طے کرنا کہ اس کا کوئی شریک ہے یا نہیں' محض ظن و گمان سے ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے وحی کی رہنمائی ضروری ہے۔ شرک میں مبتلا ہونا شیطان کی اطاعت ہے کیونکہ اس نے انسان کو توحید کی صراط مستقیم سے گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ شیطان اور اس کے پیروؤں کا انجام عذاب جہنم ہے۔

20- باپ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رویہ نہایت درجہ دردمندی اور رقت قلب کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں حق کے لیے غیرت و حمیت کا اظہار بھی ہے۔ انھوں نے مروت یا خوف سے مغلوب ہو کر اپنی دعوت توحید کے معاملہ میں کوئی لچک یا مداہنت گوارا نہیں کی۔

21- حضرت ابراہیمؑ کی شہرت کی پائیداری کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں جلیل القدر انبیاء و مصلحین جس مبارک

خانوادے سے اٹھے اور ان کے مشن کو زندہ کرتے رہے۔ نبی ﷺ کی بعثت سے حضرت ابراہیمؑ کی عظمت و شہرت کو بقائے دوام حاصل ہو گیا۔

22۔ فرشتے کے واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ سے کلام کرنا اور ان کی مدد کے لیے ایک مستقل نبی کو ان کا وزیر اور شریک کار مقرر کرنا حضرت موسیٰؑ کے دو خاص امتیازات ہیں جن میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔

23۔ یعنی وہ اپنے رب کی نگاہوں میں ٹھیک ٹھیک ویسے ہی تھے جیسا وہ اپنے بندے کے لیے چاہتا ہے کہ وہ ہو۔ گویا وہ اپنے رب کی پسند کے معیار پر پورے اترے۔

24۔ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سب مذکور انبیاء میں سے کسی نہ کسی کے نام لیوا تھے۔ یہاں قرآن نے ان سب کی دعوت اور ان کے کردار و عمل کا حوالہ دے کر ان کے ان ناخلف جانشینوں کے حال پر افسوس کیا ہے جو مدعی تو تھے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، یعقوبؑ اور موسیٰ علیہم السلام کی پیروی کے، لیکن انھوں نے ان بزرگ نبیوں کے سکھائے ہوئے سارے دین کو برباد کرکے رکھ دیا تھا۔

25۔ انبیاء کے ساتھ نسبت اور ان کی وراثت کسی کو خاندان اور نسب کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان کی لائی ہوئی ہدایت کے حامل ہونے کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ اپنی غلطیوں سے رجوع کرکے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں گے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

26۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مدعی اور ہر بوالہوس اس جنت کا حق دار نہیں بن جائے گا بلکہ اس کے مستحق خدا سے ڈرنے والے اور اس کے حدود و قیود کا احترام کرنے والے لوگ ہوں گے۔

27۔ یہ کلام حضرت جبریلؑ امین کی طرف سے ہے جس میں انھوں نے آنحضرت ﷺ کو صبر و استقامت کی تلقین بھی فرمائی ہے اور یہ معذرت بھی کی ہے کہ اگر ہم آپ کے شوق و انتظار کی تسکین کے لیے جلدی جلدی وحی لے کر نہیں اترتے تو اس میں ہماری کسی کوتاہی کو دخل نہیں ہے بلکہ ہمارا اترنا تمام تر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہے۔ زمرۂ ملائکہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور اس کے کنٹرول میں ہیں۔ مجال نہیں کہ وہ سرمو اپنے دائرہ کار سے تجاوز کر سکیں۔

28۔ یعنی ہم ہر گروہ اور ہر پارٹی کے ان لیڈروں کو ان کے اندر سے چھانٹ کر الگ کریں گے جو خدا اور اس کے رسول کے سب سے زیادہ مخالف رہے۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ ہو گا کہ جس طرح انھوں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی مہم میں ان کی قیادت کی اسی طرح اب اپنے پیروؤں کو جہنم میں لے جانے کے لیے بھی ان کی پیشوائی کریں۔

29۔ جہنم میں داخل ہونے کے حکم کے مخاطب وہی مجرمین ہوں گے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اوپر کی بات بصیغۂ غائب کہی گئی جو عدم التفات یا ان کو اہمیت نہ دینے کے مفہوم کی حامل ہے۔ یہ بات ان کو مخاطب کرکے کہی جائے گی جو شدت عتاب پر دلیل ہے۔ اسلوب کو نہ سمجھنے کے باعث بعض مفسرین آیت کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر شخص، خواہ نیک ہو یا بد، جہنم پر سے لازماً گزرے گا۔ حالانکہ سورہ انبیا ۱۰۱ ۔ ۱۰۲ میں صاف ارشاد ہوا ہے کہ نیکو کار جہنم سے دور رکھے جائیں گے اور وہ اس کا کھٹکا بھی نہیں سنیں گے۔

30۔ یعنی جب مجرمین فیصلہ الٰہی کے بعد جہنم کے داروغوں کے حوالہ کیے جائیں گے تو وہ اکڑوں بیٹھے عذاب کے دروازے کے کھلنے کے منتظر ہوں گے۔

31۔ فرمایا کہ اسباب و سامان اور شان و شوکت کی زیادتی نہ تو کسی قوم کے خدا کی چہیتی ہونے کی دلیل ہے اور نہ یہ

مدین حدا ی پلڑ سے بچانے والی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ دنیاوی برتری کے زعم میں جو لوگ رسول کے انداز کا مذاق اڑاتے اور ضلالت میں پڑے رہتے ہیں ان پر کوئی گرفت کیوں نہیں ہوتی تو ان کو بتاؤ کہ خدائے رحمان کے شایان شان بات یہی ہے کہ وہ ان کی رسی دراز کرے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس ڈھیل کو اپنی کامیابی سمجھ کر سرکشی میں اور زیادہ دلیر ہو جائیں۔

32۔ یہ ذکر کسی خاص شخص کا نہیں۔ عربی اسلوب کلام میں کسی خاص ذہنیت کو ممثل و مصور کرنا ہو تو یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ گویا مراد اس ذہنیت کے حامل گروہ کا ہر فرد ہو گا۔ ایسے لوگ نعمتوں کو اللہ کا عطیہ نہیں سمجھتے بلکہ اپنے استحقاق ذاتی یا اپنی قابلیت کا کرشمہ سمجھتے ہیں اس وجہ سے اس گھمنڈ میں رہتے ہیں کہ وہ ریاست و امارت کے پیدائشی حقدار ہیں۔ اگر آخرت ہو بھی تو وہ وہاں بھی کوٹھیوں میں عیش کریں گے اور کاروں میں پھریں گے۔

33۔ یہ نبی ﷺ کے لیے تسکین و تسلی ہے کہ ان مخالفین کی مخالفت سے پریشان نہ ہو اور ان کے بارے میں فیصلہ الٰہی کے ظہور کے لیے جلدی نہ کرو۔ ان کی حق دشمنی کے سبب سے اب ہم نے ان کے اوپر شیاطین کو چھوڑ دیا ہے کہ ان کو اکسانے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں تاکہ ان پر ہماری حجت تمام ہو جائے۔ بس اب ان کا پیمانہ لبریز ہوا ہی چاہتا ہے۔

34۔ شفاعت کا یہ عہد انبیائے کرام اور شہدائے امت کو حاصل ہو گا کیونکہ وہ اس منصب تکریم و تشریف کے سزاوار ہوں گے۔ البتہ اس پر کئی پابندیاں بھی ہوں گی جن کی خبر خود قرآن نے متعدد مقامات میں دی ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ لوگ بھی خدا کی اجازت سے زبان کھولیں گے اور انھی لوگوں کے حق میں کھولیں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔ یہ اپنی شفاعت میں وہی بات کہیں گے جو حق ہو گی۔ یہ باطل کو حق بنا کر پیش نہیں کر سکیں گے۔ جن لوگوں نے شرک و الحاد کی زندگی گزاری یا ایمان کے مدعی تو رہے لیکن ساری زندگی خدا و رسول کی نافرمانی میں گزار دی ان کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہو گی۔

35۔ یعنی زمین و آسمان کے واحد مالک پر اولاد کی اس تہمت سے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو بھی ایسی غیرت و حمیت لاحق ہوتی ہے کہ وہ ایک منٹ کے لیے بھی ان نابکاروں کو برداشت کرنا نہیں چاہتے جو خدا کا شریک بناتے ہیں، لیکن وہ خدائے رحمان کے حکم کے تابع ہیں اس وجہ سے وہ اپنی مرضی سے مشرکین کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔

36۔ یہ اپنی مخلوقات کی اصل حیثیت واضح فرما دی کہ فرشتے ہوں یا جن و انس، اور ان کا جو مرتبہ بھی ہو، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب بلا استثنا خدائے رحمان کے حضور میں ایک بندے کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔

37۔ یعنی ان کا خیر مقدم ہو گا اور ان کی کامیابی پر ہر طرف سے مبارک سلامت کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔

38۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو تعلیم و تذکیر کے لیے نہایت موزوں، تمام لوازم سے آراستہ اور نہایت سازگار بنایا ہے۔ تم اپنا فرض انذار و تبشیر ادا کرتے رہو۔ جو لوگ تمھاری بات نہیں سنیں گے وہ اپنا انجام خود دیکھیں گے۔ تاریخ میں ان کے لیے کافی سامان عبرت موجود ہے۔

امین احسن اصلاحی

وضو کے آداب

باب 117- الوضوء مرة مرة

وضو میں ایک ایک بار اعضا کا دھونا

157 - حدثنا محمد بن یوسف قال ثنا سفیان عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس قال توضا النبی صلی الله علیه وسلم مرة مرة۔

ترجمہ :- ابن عباس سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وضو کیا ایک ایک بار میں۔

باب 118- الوضوء مرتین مرتین۔

وضو میں دو دو بار اعضاء کا دھونا۔

158 - حدثنا الحسین بن عیسٰی قال ثنا یونس بن محمد قال انا فلیح بن سلیمان عن عبد الله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن عباد بن تمیم عن عبد الله بن زید ان النبی صلی الله علیه وسلم توضاء مرتین مرتین۔

ترجمہ :- عبد اللہ بن زید کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وضو کیا دو دو مرتبہ۔

باب 119- الوضوء ثلثا ثلثا۔

وضو میں تین تین بار اعضا کا دھونا

159 - حدثنا عبد العزیز بن عبد الله الاویسی قال حدثنی ابراهیم بن سعد عن ابن شهاب ان عطاء بن یزید اخبره ان حمران مولی عثمان اخبره انه رای عثمان بن عفان دعا باناء فافرغ علی کفیه ثلث مرار فغسلهما ثم ادخل یمینه فی الاناء فمضمض واستنشق ثم غسل وجهه ثلثا ویدیه الی المرفقین ثلث مرار ثم مسح براسه ثم غسل رجلیه ثلث مرار الی الکعبین ثم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من توضاء نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث بینهما نفسه غفرله ماتقدم من ذنبه وعن ابراهیم قال صالح بن کیسان قال ابن شهاب ولکن عروة یحدث عن حمران فلما توضا عثمان قال لاحد ثنکم حدیثا لولا ایة ماحد ثنکموه سمعت النبی صلی الله

علیه وسلم یقول لا یتوضا رجل فیحسن وضوءه و یصلی الصلوٰة الا غفرله مابینه و بین الصلوٰة حتی یصلیها قال عروة الایة ان الذین یکتمون ما انزلنا۔

ترجمہ :- عطاء بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حمران نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا' تین بار اس کو ہتھیلیوں پر انڈیلا اور ہاتھوں کو دھویا۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ کو برتن میں ڈالا' کلی کی' ناک میں پانی ڈالا' پھر چہرہ دھویا تین مرتبہ اور ہاتھ دھوئے کہنیوں تک تین مرتبہ۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے پاؤں دھوئے ٹخنوں تک تین مرتبہ۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس طریقہ سے وضو کرے گا جس طرح میں نے کیا ہے' پھر دو رکعت نماز پڑھے گا اور اس کے بیچ میں اپنے نفس کے اندر کچھ وسوسہ اندازی نہیں کرے گا تو (اللہ تعالٰی) اس کے وہ گناہ معاف کر دے گا جو اس نے پہلے کیے۔ اور ابراہیم سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عروہ انہی حمران سے یوں روایت کرتے تھے کہ جب حضرت عثمان نے وضو کیا تو فرمایا کہ میں تم سے ایک روایت بیان کروں گا۔ اگر قرآن میں ایک آیت نہ آئی ہوتی تو میں تم کو نہ سناتا' میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص وضو کرے گا اچھی طرح سے اور نماز پڑھے گا تو اس کے جتنے گناہ اس وضو سے نماز پڑھنے تک کیے ہوں گے وہ بخش دیے جائیں گے۔ عروہ نے کہا آیت یہ ہے کہ جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کیں۔

وضاحت :- اوپر جو تین روایتیں گذری ہیں ان کے متعلق جامع بات یہ ہے کہ وضو کے بارے میں ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے' اگرچہ بظاہر یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اعضا کو ایک مرتبہ بھی دھویا ہے' دو مرتبہ بھی اور تین مرتبہ بھی۔ یہ بات کہ وضو کرتے ہوئے اعضا کو کتنی بار دھونا ہے حالات پر ہے اور اس میں کئی چیزیں شمار ہوں گی مثلاً" پانی کی مقدار کتنی ہے اور وہ کس طرح ملا ہے۔ آپ کس حالت میں ہیں۔ ابھی نہا کر آئے ہیں اور صرف شرعی وضو کرنا ہے یا کسی ورکشاپ میں کام کرکے آ رہے ہیں۔ کبھی تو ایک ایک بار ہی اعضا کا دھونا کافی ہوتا ہے اور کبھی دو یا تین یا اس سے زیادہ مرتبہ دھونا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک عضو کو تین بار دھویا ہے تو باقی اعضا کو بھی تین تین بار ہی دھویا جائے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ کلی کرنے' ناک صاف کرنے اور سر کا مسح کرنے میں تین تین بار کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس صحابی نے جس شکل میں آنحضرتؐ کو وضو کرتے دیکھا' بیان کر دیا۔ ان سب روایات سے آپ کو فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ عمل میں وسعت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ آخری روایت میں ابن شہاب نے یہ کیا ہے کہ پہلے اپنے ایک شیخ عطاء سے روایت لی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور فرمایا کہ جس نے میرے طریقہ سے وضو کیا' پھر دو رکعتیں پڑھ لیں اس بیچ میں کسی وسوسہ میں مبتلا نہیں ہوا تو اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ روایت کے اس حصہ سے کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تحیت المسجد کی طرح تحیت الوضوء بھی ہے۔ تحیت المسجد تو ثابت ہے لیکن تحیت الوضوء ثابت نہیں' اس لیے کہ روایت تو یہی ہے جس کی بنا پر لوگ اس نماز کے قائل ہیں' حالانکہ یہ روایت خود غور طلب ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہتمام سے وضو کرکے آپ نے اگر دو رکعت نماز پڑھ لی تو کیا تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ گناہ تو کبیرہ و صغیرہ ہر قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بخشش کا بڑا سستا نسخہ مل گیا گناہوں کی معافی کے متعلق جو ضابطہ قرآن میں بیان ہوا ہے اور وہ منصوص ہے' اس میں کئی شرطیں ہیں۔ مثلاً" یہ کہ آدمی گناہ کے فوراً" بعد جتنا جلد ہو سکے توبہ کرے۔ دوسری شرط اصلاح کی ہے یعنی اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور جس کے ساتھ زیادتی کی ہو' کوئی حق تلفی کی ہو اس کی تلافی کرے۔ اس ضابطہ میں یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے ساری زندگی لاپرواہی میں گذار دی تو اس کا گناہ اس کا احاطہ کرلے گا اور وہ بخشا نہیں جائے گا۔ لہٰذا بخشش کا یہ سستا نسخہ قرآن کے خلاف پڑتا ہے۔

آگے ابن شہاب عروۃ سے روایت لے رہے ہیں اور یہ بھی ان کے شیخ ہیں۔ یہ روایت عطاء والی روایت پر حرف عطف کے ساتھ ہے۔ یہ ابن شہاب کا خاص کمال ہے کہ وہ ایک روایت میں دوسری روایت ٹھونس دیتے ہیں۔ یہ دونوں روایتیں دو واقعوں کی نہیں ہیں جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا ہے بلکہ ایک ہی واقعہ کو دو راویوں نے بیان کیا ہے۔ دوسری روایت میں عروۃ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ نے وضو کیا تو یہ فرمایا کہ میں تم لوگوں کو ایک حدیث سناتا ہوں۔ اگر قرآن میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں نہ سناتا۔ قرآن مجید میں یہ تاکید ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی کوئی بات اگر تمہارے علم میں ہو تو اس کو چھپانا نہیں چاہیے اس لیے وہ بات میں تم سے کہتا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنی۔ آپ فرماتے تھے کہ کوئی شخص اہتمام کے ساتھ وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا تو اس کے وہ گناہ جو اس کے وضو اور نماز کے درمیان ہوں گے وہ بخش دیے جائیں گے۔

عروۃ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی اچھی طرح وضو کرکے نماز پڑھتا ہے تو نماز تک کے درمیان تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ یہاں مراد فرض نماز ہے' دو رکعت کی نماز نہیں۔ اگر مفہوم یہ ہو کہ ایک نماز اور دوسری نماز کے درمیان کی لغزشیں اور کوتاہیاں معاف ہو جائیں تو یہ بات بھی ٹھیک اور قرین عقل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ان گناہوں کے متعلق ہے جو صغیرہ ہیں۔ آدمی اپنی زبان سے نہ جانے کیا کیا بکتا رہتا ہے' نگاہ غلطی کر جاتی ہے' بہت ساری چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہو جاتی ہیں تو اس طریقہ کے وضو اور نماز کے درمیان کی یہ خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ رہ گئے کبیرہ گناہ' حقوق اللہ اور حقوق العباد تو ان کے لیے ضابطہ وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔

ایک بار آں حضرتؐ نے کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ کیا تم لوگ گمان کرتے ہو کہ ایک شخص ہے اور اس کے مکان کے آگے نہر بہتی ہے جس میں وہ پانچ مرتبہ نہاتا ہے تو کیا اس پر میل کچیل میں سے کچھ

باقی رہ جائے گا تو لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہؐ۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا تو اس کا میل کچیل بھی صاف ہو جائے گا۔ اس ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی پنج وقتہ نماز پڑھتا رہے گا تو اس کی بیچ کی لغزشیں اور کوتاہیاں معاف ہو جائینگی۔ یوں بھی ایسے آدمی سے امید کم ہوتی ہے کہ وہ لغویات میں مشغول ہو گا۔ آپ نے دیکھا کہ جو روایت عطاء سے ہے وہ بہت غلط فہمی پیدا کرتی ہے۔ اس میں راوی سے بیان کرنے میں شدید قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ یہ اس چیز کی بہترین مثال ہے کہ راوی حضرات روایت بالمعنی کے راستے کس طرح کے خطروں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور خود بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

نبی ﷺ سے روایت کرنے میں اگر یہ مسلم اصول محدثین مان لیتے کہ آنحضرتؐ کے معاملہ میں روایت بالمعنی جائز نہیں تب ٹھیک ہوتا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو بہت تھوڑی روایتیں آپ کو ملتیں۔ اب یہ چیز آپ کے فیصلہ کرنے کی ہے کہ اس تھوڑے صحیح پر قناعت زیادہ بہتر ہوتی یا اس سے زیادہ کے الجھاؤ پر جس کو غور و فکر کے ذریعہ دور کرنے کا امکان ہے۔ اگر پہلی بات ہوتی تو حدیث کے لیے بھی وہی اہتمام کیا جاتا جو قرآن کے لیے ہوا اور ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ موجودہ صورت حال میں مسئلہ کا حل صرف یہی ہے کہ قرآن کو کسوٹی مان کر روایتوں کو اس پر پرکھا جائے۔

باب 120- الاستنثار فی الوضوء ذکرہ عثمان و عبد اللہ بن زید و ابن عباس عن النبیؐ۔

وضو میں ناک صاف کرنے کا بیان۔ اس کا ذکر عثمانؓ' عبد اللہ بن زید اور ابن عباس سب نے نبی ﷺ سے کیا ہے۔

وضاحت:- استنثار کے معنی ناک صاف کرنے کے ہیں۔ یہ وضو کے واجبات میں سے نہیں ہے۔ میرے نزدیک ایسا کرنا حالات کے تابع ہے۔ بعض حالات میں یہ ضروری اور عام حالات میں ضروری نہیں ہے۔ بعض اوقات زکام وغیرہ ہو یا ناک میں غبار گھس گیا ہو تو اس کو صاف کرنے کے لیے یہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ میں فجر کے وضو میں بہت اہتمام سے کلی بھی کرتا ہوں' ناک بھی صاف کرتا ہوں حالانکہ یہ عمل واجب نہیں ہیں۔ وضو میں واجب اتنا ہی ہے جتنا وضو والی آیت یایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم و ارجلکم الی الکعبین- المائدہ 6 (اے ایمان والو' جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوو) میں بیان ہوا ہے۔ یعنی منہ دھونا' ہاتھ کہنیوں تک دھونا' سر کا مسح کرنا اور پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔ وضو کی ترتیب کے وجوب کا میں اس لیے قائل ہوں کہ آیت میں پاؤں کے دھونے کا بیان سر کے مسح کے بعد کیا ہے اور ارجلکم کو رء وسکم مجرور کے اوپر عطف کرنے کی بجائے ان چیزوں پر عطف کیا ہے جن کے دھونے کا بیان ہوا

ہے اور جو منصوب ہیں۔ اب اگر کوئی قرات مختلف کرتا ہے اور ارجلکم کو مجرور پڑھتا ہے تو ہم اس کو نہیں مانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی خدمت قرآن کے بعد قرات کا جتنا اختلاف ہے وہ ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے۔ قرات حفص جو مصاحف میں ہے یہی متواتر قرات ہے۔ باقی جتنی قراتیں ہیں وہ ارباب تاویل کے اقوال ہیں' قرآن کا حصہ نہیں۔ ان تاویلات کو دیکھ لیجئے اور سیاق و سباق کے مطابق ہوں تو قبول کیجئے ورنہ رد کر دیجئے۔ ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اگر پاؤں کے مسح کا حکم ہوتا جیسا کہ بعض فرقوں کا خیال ہے تو الی الکعبین کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ہاتھ دھونے میں الی المرافق کی قید لگائی ہے لیکن تیمم میں جہاں مسح کا حکم دیا ہے الی المرافق' کی پابندی اڑا دی اس لیے کہ مسح میں اس قسم کا تحدید ایک بیگانہ اور غیر مفید چیز ہے۔

160 - حدثنا عبدان قال انا عبد الله قال انا یونس عن الزھری قال اخبرنی ابو ادریس انه سمع ابا ھریرہ عن النبیؐ انه قال من توضا فلینتثر ومن استجمر فلیوتر۔

ترجمہ :- ابوہریرہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے وہ ناک صاف کرے اور جو شخص ڈھیلے سے استنجا کرے وہ طاق ڈھیلے استعمال کرے۔

وضاحت :- طاق ڈھیلے استعمال کرنے میں کم از کم تین ڈھیلے لینے ہوں گے۔ فلیوتر یعنی دو کے بعد تیسرے سے یا چار کے بعد پانچویں سے طاق کرے۔ یہ واقعہ ہے کہ جس کو ڈھیلے کی ضرورت پیش آئے' وہ جان سکتا ہے کہ تین سے کم میں صفائی ممکن نہیں ہوتی۔ البتہ اس سے زیادہ ڈھیلے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

باب 121 الاستجمار وترا

ڈھیلوں سے استنجاء میں طاق ڈھیلے لینا

161 - حدثنا عبد الله بن یوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا توضا احدکم فلیجعل فی انفه ماء ثم لینتثر ومن استجمر فلیوتر واذا استیقظ احدکم من نومه فلیغسل یده قبل ان ید خلھافی وضوئه فان احدکم لایدری این باتت یده۔

ترجمہ :- حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو اسکو چاہیے کہ ناک میں پانی ڈالے پھر اسکو صاف کرے۔ اور جو کوئی ڈھیلے سے استنجاء کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ طاق ڈھیلے استعمال کرے اور جب کوئی شخص تم میں سے سو کر اٹھے تو وہ اپنے ہاتھ وضو کے پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھو لے' معلوم نہیں اس کا ہاتھ رات کو کہاں کہاں لگا۔

وضاحت :- یہ سب چیزیں آداب میں داخل ہیں۔ آدمی سو کر اٹھے تو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ

پہلے ہاتھ دھوئے۔ اگر بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیا تو پانی نجس تو نہیں ہو جائے گا جیسا کہ بعض فقہاء نے ماء مستعمل کہہ کر اس پانی کو نجس قرار دیا ہے۔ یہ مہمل بات ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ماء مستعمل پینے کے لیے نہیں ہوتا' پھر بھی مہذب طریقہ یہی ہے کہ آپ سو کر اٹھے ہیں تو بہرحال ہاتھ دھو لیجئے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ آداب وضو ہیں تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں ان میں سے کسی چیز کو بھی واجب نہیں مانتا۔

باب 122 - غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین۔

وضو میں پاؤں دھوئے اور ان پر مسح نہ کرے

162 - حدثنا موسٰی قال ثنا ابو عوانه عن ابی بشر عن یوسف بن ماھک عن عبد الله بن عمرؓ و قال تخلف النبی صلی الله علیه وسلم عنا فی سفرۃ فادرکنا وقد ارھقنا العصر فجعلنا نتوضاء و نمسح علی ارجلنا فنادٰی باعلی صوته ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلثا۔

ترجمہ :- عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے پھر آپ ہمیں اس وقت آ ملے جب عصر کا وقت ہمارے اوپر سوار ہو گیا تھا تو ہم جلدی جلدی وضو کرنے اور پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے تو آپؐ نے بلند آواز سے پکارا ایڑیوں کی خرابی ہے آگ سے۔ دو بار فرمایا یا تین بار۔

وضاحت :- عصر کا وقت چونکہ تنگ ہو رہا تھا اس لیے لوگ بجائے پاؤں دھونے کے ان پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ **نمسح علی ارجلنا** کی یہی تاویل ہو سکتی ہے۔ اگر مسح مانا جائے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اس زمانے میں مسح کا رواج تھا لیکن یہ بات غلط ہے۔ پاؤں کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو دھونا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب دیکھا کہ لوگوں کی ایڑیاں خشک ہیں تو آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا کہ ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے دوزخ کی آگ سے۔ یہ واقعہ ہے کہ جب آدمی جلد بازی کرے گا یا بے پروائی سے کام لے گا تو ایڑیوں پر ہی زد آئے گی اور انہیں کو نظر انداز کرے گا۔ اس لیے آپؐ نے لوگوں کو اس بے پروائی کے انجام سے خبردار کیا تاکہ وہ وضو کے اعضاء پورے پورے دھوئیں۔

باب 123 - المضمضه فی الوضوء قاله ابن عباس و عبد الله بن زید عن النبیؐ

وضو میں کلی کرنے کا بیان۔ یہ ابن عباس اور عبد اللہ بن زید نے آنحضرتؐ سے نقل کیا ہے

163 - حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی عطاء بن یزید عن

حمران مولی عثمان بن عفان انه رای عثمان دعا بوضوء فافرغ علی یدیه من انائه فغسلهما ثلث مرات ثم ادخل یمینه فی الوضوء ثم تمضمض و استنشق و استنثر ثم غسل وجهه ثلثا ویدیه الی المرفقین ثلثا ثم مسح براسه ثم غسل کل رجل ثلثا ثم قال رایت النبیؐ یتوضاء نحو و ضوئی هذا و قال من توضا نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیهما نفسه غفر الله له ماتقدم من ذنبه

ترجمہ :- حمران جو حضرت عثمان کے غلام تھے انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالا اور ان کو تین بار دھویا- پھر اپنا داہنا ہاتھ پانی میں ڈال دیا- اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور ناک صاف کی- پھر منہ دھویا تین بار اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھوئے- پھر سر کا مسح کیا- پھر دونوں پاؤں دھوئے تین بار- پھر کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو اسی طرح' جیسے میں نے وضو کیا ہے' وضو کرتے دیکھا ہے- اور آپ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے اس وضو کی طرح وضو کرے' پھر دو رکعتیں پڑھے اور اس بیچ اپنے نفس کے اندر کچھ وسوسہ اندازی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے تمام گناہ جو اس نے پہلے کیے بخش دے گا-

وضاحت :- یہ روایت پیچھے گذر چکی ہے (دیکھیے باب 119 روایت 159)_

باب 124 - غسل الاعقاب وکان ابن سیرین یغسل موضع الخاتم اذا توضاء-

ایڑیوں کے دھونے کا باب- ابن سیرین انگوٹھی کی جگہ بھی وضو کے وقت دھوتے-

164 - حدثنا ادم بن ابی ایاس قال حدثنا شعبه قال حدثنا محمد بن زیاد قال سمعت ابا هریرة وکان یمربنا والناس یتوضاون من المطهرة فقال اسبغوا الوضوء فان ابا القاسم صلی الله علیه وسلم قال ویل للاعقاب من النار-

ترجمہ :- محمد بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ سے سنا' وہ ہمارے سامنے سے گزرا کرتے جبکہ لوگ برتن سے وضو کر رہے ہوتے' تو وہ کہتے- لوگو وضو کو پورا کرو کیونکہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ایڑیوں کی خرابی ہے دوزخ کی آگ سے-

وضاحت :- اس روایت پر بحث اوپر گزر چکی ہے- دھونے کے اہتمام کی اس تاکید سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انگوٹھی وغیرہ کوئی زیور اگر بدن تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنتا ہو تو اس کو ہلا جلا کر عضو کو دھونا چاہیے-

باب 125 - غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین-

باب اس بارے میں کہ جو پاؤں جوتوں میں ہیں لازماً دھوئے جائینگے اور جوتوں پر مسح نہیں کیا جائے گا (یعنی اگر کوئی جوتے کے اوپر ہی مسح کرلے تو یہ جائز نہیں ہے)

165 - حدثنا عبد الله بن یوسف قال انا مالک عن سعید المقبری عن عبید بن جریج انه قال لعبد الله بن عمر یا ابا عبد الرحمٰن رایتک تصنع اربعالم ار احد من اصحابک یصنعها قال وماهی یا ابن جریج قال رایتک لاتمس من الارکان الا وریتک تلبس النعال السبتیة ورایتک تصبغ بالصفرة ورایتک اذا کنت بمکه اهل الناس اذا راوا الهلال ولم تهل انت حتی کان یوم الترویة قال عبد الله ان الارکان فانی لم ار رسول الله صلی الله علیه وسلم یمس الا الیمانیین واما النعال السبتیة فانی رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس النعال التی لس فیها شعر و یتوضاء فیها فانا احب ان البسها واما الصفرة فانی رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصبغ بها فانی احب ان اصبغ بها واما الاهلال فانی لم ار رسول الله صلی الله علیه وسلم یهل حتی تنبعث به راحلته-

ترجمہ :- ابن جریج کہتے ہیں کہ انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے کہا کہ اے ابو عبد الرحمٰن میں دیکھتا ہوں کہ آپ چار باتیں ایسی کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو وہ باتیں کرتے نہیں دیکھا- انہوں نے کہا کہ وہ کیا چیزیں ہیں ابن جریج- انہوں نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ صرف یمانی رکنوں کو ہاتھ لگاتے ہیں (یعنی طواف کرتے وقت) اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ چمڑے کے دباغت کیے ہوئے جوتے پہنتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ جو چیز رنگتے ہیں وہ زرد رنگتے ہیں اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ جب آپ مکہ میں ہوتے ہیں تو لوگ تو اسی وقت سے احرام باندھ لیتے ہیں جب (ذوالحجہ کا) چاند دیکھتے ہیں لیکن آپ آٹھویں تاریخ تک نہیں باندھتے- عبد اللہ بن عمر نے جواب دیا ارکان کا جہاں تک معاملہ ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف انہی دو کو ہاتھ لگاتے دیکھا ہے- رہا مبوغ کھال کے جوتے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ وہ جوتے پہنتے تھے جن پر بال نہ ہوں اور ان میں وضو بھی کرتے تھے- (یعنی جوتوں پر مسح نہیں کرتے تھے) تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ایسے ہی جوتے پہنوں- رہا زرد رنگ کا معاملہ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اسی رنگ سے رنگتے تھے- میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں بھی اسی رنگ سے رنگوں- اور احرام باندھنے کا حال یہ ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو اس وقت تک احرام باندھتے نہیں دیکھا جب تک آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر نہ اٹھتی-

وضاحت :- حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی ﷺ کے اتباع میں متشدد تھے- اگر انہیں معلوم ہوتا کہ فلاں کام حضورؐ نے فلاں طریقہ سے کیا ہے تو وہ اسی طریقہ کو اختیار کرتے حالانکہ انہیں معلوم ہوتا کہ

آنحضرتؐ نے ایسا کبھی محض اتفاق سے کیا۔ اس روایت میں بھی حضرت ابن عمرؓ کے بعض افعال کی وضاحت ہے جو انھوں نے حضورؐ کے تتبع میں کیے۔

خانہ کعبہ کی موجودہ چوکور عمارت کے شمال مغرب میں نصف دائرہ کی صورت میں کھلا رقبہ ہے جس کو حطیم کہتے ہیں۔ ابراہیمی تعمیر میں یہ رقبہ مسقف اور خانہ کعبہ میں شامل تھا۔ گویا اصل تعمیر میں خانہ کعبہ کے جنوب میں صرف دو کونے بنتے تھے۔ ان کو یمانی کونے کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ جب حرم کی تعمیر ہوئی تو قریش نے مسقف رقبہ کم کر دیا اور غیر مسقف حصہ کو حطیم کہنے لگے۔ نبی ﷺ طواف کے دوران دونوں قدیم یمانی کونوں کو سلام کرتے تھے بقیہ دو کو نہیں۔ عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اس عمل کو پسند کرتا ہوں جس طرح آنحضرتؐ کیا کرتے تھے۔

دباغت کیے ہوئے چمڑے کے جوتے بھی حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کو اسی لیے پسند تھے کہ آنحضرتؐ بھی ایسے ہی جوتے پسند فرماتے تھے۔ یہ ایک ضمنی بات ہے کہ آنحضرتؐ ان میں وضو کرتے تھے اور ان پر مسح نہیں کرتے تھے۔ رہ گیا زرد رنگ تو روایت میں اس کی وضاحت نہیں کہ حضورؐ کیا چیز زرد رنگتے یا استعمال کرتے تھے۔ اس سے مراد خضاب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ روایات کی رو سے آنحضرتؐ کے آخر عمر تک صرف داڑھی کے چند بال سفید ہوئے تھے۔ خضاب لگانا بجائے خود میرے نزدیک فطرت کے معیار سے ہٹی ہوئی چیز ہے لیکن اس سے انکار نہیں کہ یہ جائز ہے۔ لیکن حضورؐ سے متعلق میرے نزدیک یہاں خضاب مراد نہیں ہے۔ ممکن ہے کوئی زرد چادر وغیرہ لیتے رہے ہوں۔

علی هذا القیاس' معلوم ہوتا ہے بعض لوگ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے پر لبیک کہنا شروع کر دیتے تھے لیکن عبد اللہ ابن عمر کے تمام معاملات میں پیغمبرؐ کا اتباع ملحوظ ہوتا تھا۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھتے۔ امام صاحب نے حسب عادت ایک ضمنی مسئلہ پر باب باندھا ہے۔

باب 126 - التيمن فی الوضوء والغسل
وضو اور غسل داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کا اہتمام

166 - حدثنا مسدد قال ثنا اسمٰعيل قال ثنا خالد عن حفصه بنت سيرين عن ام عطيه قالت قال النبی صلی الله عليه وسلم لهن فی غسل ابنته ابدان لميا منها و مواضع الوضوء منها۔

ترجمہ :- ام عطیہ سے روایت ہے کہ جب عورتیں آنحضرتؐ کی صاحبزادی کو غسل دینے لگیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اعضاء کے داہنی طرف سے اور وضو کے مقامات سے ان کا غسل شروع کرو۔

وضاحت :- یہ حضرت زینبؓ کی وفات پر غسل میت کے لیے نبی ﷺ کی ہدایات ہیں۔

معروف طریقہ یہی ہے کہ ہر کام میں داہنی طرف سے ابتداء کی جائے۔ غسل میت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

یاد رکھیے کہ آداب کے متعلق وہی طریقہ اچھا ہے جو فطرت کے مطابق ہے اور جس کی تعلیم نبی ﷺ نے دی ہے۔ اسلامی تہذیب وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے فطرت کے مطابق خود عمل کیا اور اس کو آگے منتقل کیا۔ اگر بعض حالات میں اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس سے حلت یا حرمت کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا کیونکہ اس کا تعلق آداب سے ہے۔

167 - حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبه قال اخبرنی اشعث بن سليم قال سمعت ابی عن مسروق عن عائشة قالت كان النبی صلی الله عليه وسلم يعجبه التيمن فی تنعله و ترجله وطهوره فی شانه كله۔

ترجمہ :- حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کو' جب آپ نے جوتا پہننا ہوتا یا کنگھا کرنا ہوتا یا پاکی حاصل کرنا ہوتا' غرض تمام معاملات میں دائیں جانب سے آغاز کرنا اچھا لگتا تھا۔

وضاحت :- یہ ہے تو عموم کا انداز اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے بہت تاکید بھی کر دی ہے کہ فی شانہ کلہ (یعنی تمام معاملات میں) لیکن میرے نزدیک اس عموم میں استثنا بھی ہے جو معروف ہے مثلاً مسجد سے نکلنے میں بایاں پاؤں پہلے باہر نکالنے کا حکم ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے کاموں میں یہ پسندیدہ ہے کہ بائیں طرف سے ان کا آغاز ہو۔ سیدہ عائشہؓ نے ان کو اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ معلوم ہیں یہاں غالب پہلو کے لحاظ سے یہ بیان ہے کہ جو کام بھی آپؐ کرنے کا ارادہ کرتے دائیں طرف سے شروع کرنا پسند کرتے۔

باب 127 - التماس الوضوء اذا حانت الصلوة وقالت عائشه حضرت الصبح فالتمس الماء فلم يوجد فنزل التيهم۔
نماز کا وقت آ جانے پر پانی تلاش کرنا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ صبح کی نماز کا وقت آ گیا۔ پانی تلاش کیا گیا تو نہ ملا۔ آخر تیمم کی آیت اتری۔

166 - حدثنا عبد الله بن يوسف قال انا مالک عن اسحاق بن عبد الله بن ابی طلحة عن انس بن مالک انه قال رايت رسول الله صلی الله عليه وسلم و حان صلوة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا فاتی رسول الله صلی الله عليه وسلم بوضوء فوضع رسول الله ﷺ فی ذالک الاناء يده وامر الناس ان يتوضوا منه قال فرايت الماء ينبع من تحت اصابعه حتی توضاوا من عند اخرهم۔

ترجمہ :- انسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جبکہ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وضو کریں۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آخری آدمی تک وضو کیا۔

وضاحت :- یہ بات اپنی جگہ پر قطعی ہے کہ برکت کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتی ہے۔ پیغمبروں کی بے شمار برکتیں بیان ہوئی ہیں۔ انجیلوں میں سیدنا مسیحؑ کے واقعات آتے ہیں۔ ایک مرتبہ پوری بھیڑ کی بھیڑ آپ کے ساتھ چل رہی تھی اور کسی شخص کے پاس ایک ٹوکری میں دو چار روٹیوں سے زیادہ نہ تھیں لیکن سیدنا مسیحؑ ٹوکرے میں ہاتھ ڈال کر روٹیاں نکال نکال کر دیتے رہے اور ساری بھیڑ نے نہ صرف کھایا بلکہ کئی ٹوکرے روٹیوں کے بھر لیے۔

آنحضرتؐ کے ہاتھ سے بھی اس طرح کے معجزات ظاہر ہوئے ہیں اور برکت کا میں قائل ہوں۔ آنحضرتؐ کی دعا سے فائدے اور برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا وضو کے پانی میں بھی کسی موقع پر یہ برکت ظاہر ہوئی ہو گی۔ حدیث کے راوی حضرت انسؓ حضورؐ کے قریب رہنے والے واقف آدمی ہیں۔ انھوں نے یہاں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

حتی توضاوا من عند آخرھم۔ عربی کے لحاظ سے بہت اچھا فقرہ ہے۔ مطلب ہے یہاں تک کہ آخر تک ہر فرد نے وضو کر لیا۔

تیمم کا انسانی ضروریات میں ایک مستقل مقام ہے۔ محض پانی نہ ہونا ہی اس کا جواز مہیا نہیں کرتا۔ مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں تیمم کی ضرورت پیش آ سکتی ہو۔ مثلاً پانی موجود تو ہو لیکن اسکا استعمال مضر ہو۔ ایک حکم خاص حالات اور کیفیات میں نازل ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنی پوری اسکیم کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس کا اطلاق وسیع ہوتا ہے۔

اس روایت میں ایک مشکل یہ ہے کہ موقع ایسا ہے جب بہت سے لوگوں نے وضو کیا ہو گا اور یہ معجزہ دیکھا ہو گا۔ لہٰذا یہ واقعہ متعدد طریقوں سے نقل ہونا چاہیے تھا لیکن حضرت انسؓ کے سوا اور کسی سے اسکی روایت نہیں ہے۔ قاضی عیاض کا دعویٰ ہے کہ اس کے راوی بے شمار ہیں' یہ تواتر سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ وہ روایات ہیں کہاں! ابن حجرؒ کو بھی یہ بات کھٹکی ہے کہ اتنے اہم واقعہ کے ایک ہی راوی ہیں۔

امام صاحب نے باب میں تعلیق صبح کی نماز کی دی ہے جبکہ روایت نماز عصر سے متعلق ہے۔

باب 128 - الماء الذی یغسل به شعر الانسان

وہ پانی جس سے آدمی کے بال دھوئے جائیں

169 - حدثنا مالک بن اسمعیل قال حدثنا اسرائیل عن عاصم عن ابن سیرین قال

قلت لعبیدة عندنا من شعر النبی صلی الله علیه وسلم اصبناه من قبل انس او من قبل اهل انس فقال لان تکون عندی شعرة منه احب الی من الدنیا وما فیها۔

ترجمہ :- ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی ﷺ کے بال موجود ہیں۔ یہ ہم نے حضرت انس سے یا ان کے گھر والوں سے حاصل کیے تھے۔ اس پر عبیدہ نے کہا اگر میرے پاس حضور کا ایک بال ہو تو یہ چیز مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہو گی۔

170 - حدثنا محمد بن عبد الرحیم قال نا سعید بن سلمان قال ثنا عباد عن ابن عون عن ابن سیرین عن انس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لما حلق راسه کان ابو طلحه اول من اخذ من شعره۔

ترجمہ :- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے جب اپنا سر منڈایا تو ابو طلحہؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے آپ کے بالوں میں سے لیا۔

وضاحت :- یہ موقع حجۃ الوداع کا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنا سر منڈایا تو حضرت ابو طلحہؓ نے آپ کے کچھ بال لے لیے۔ یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے ان کو تبرک کے طور پر لیا ہو گا۔ آدمی کے اندر عقیدت کا ایسا جذبہ ہو سکتا ہے' خاص طور پر جب معاملہ آنحضرتؐ کا ہو۔ ابو طلحہؓ کے علاوہ بھی لوگوں کے پاس بال تبرکاً محفوظ تھے جیسا کہ ابن سیرین نے بیان کیا۔

آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو جوشیلے اور جذباتی ہوتے ہیں۔ دوسرے متین' سنجیدہ اور خاموش طبع ہوتے ہیں جن کا مزاج عقلیت پسند اور حکیمانہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں قسمیں حقیقت میں انسانی فطرت کے دو مظاہر ہیں جن میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

اکابرین امت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا تعلق دوسری قسم سے تھا۔ وہ حکیم تھے۔ ان میں اس طرح کا ذوق نہیں تھا جس طرح کا ذوق ابو طلحہؓ میں تھا۔ حضرت ابو طلحہؓ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ جذباتی اور بہت جوشیلے آدمی تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آیت لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ آل عمران 92 (تم خدا کی وفاداری کا درجہ ہرگز نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو) نازل ہوئی تو ابو طلحہؓ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنے قیمتی باغ کے بارے میں' جس کو آنحضرتؐ بھی پسند کرتے تھے' اس میں تشریف لے جاتے' اس کی کھجوریں کھاتے اور اس کا ٹھنڈا پانی پیتے تھے' اعلان کر دیا کہ میں اسے صدقہ کرتا ہوں کیونکہ مجھے اپنا یہ باغ بہت ہی محبوب ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ اس کو اپنے اقرباء میں بانٹ دو۔ معلوم ہوا کہ جوش و جذبہ تو پسندیدہ تھا لیکن حدود سے متجاوز تھا۔ اس لیے کہ اگر وہ باغ کو اپنے پاس رکھتے تو ان کے ورثہ کے کام آتا اور ہو سکتا ہے کہ ان ورثا میں ضرورت مند لوگ رہے ہوں۔ قرآن مجید کا حکم بھی ہے کہ ات ذا القربی حقه (قرابت داروں کو ان کا حق دو)

یہ بات بھی ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ حسن ظن اور عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کی ہر چیز عزیز ہو۔ لیکن آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد سر کے بالوں کی تقسیم نہ تھا بلکہ اپنی سنت اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم تقسیم کرنا تھا۔ اس لیے میرے نزدیک اس روایت میں یہ اضافہ کہ کچھ بال نبی ﷺ نے خود لوگوں میں تقسیم کروائے، محل نظر ہے۔

بہرحال کسی میں جوش اور جذبات کی فراوانی ہو تو اس کی دل شکنی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن حدود سے تجاوز کرنے پر ایسی چیزیں خواہ مخواہ کو معبود بن جاتی ہیں اور ان کے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لہٰذا پہلی قسم کے لوگوں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے جذبات کو حدود کے اندر رکھیں۔ اصل وہ تعلیم ہے جو آنحضرتؐ نے اپنی امت کو دی۔ اس سے بہرہ مند ہونا اور اس پر عمل کرنا پیش نظر ہونا چاہیے۔ اسی طرح حضورؐ کے اسوہ حسنہ کا جتنا بھی اہتمام ہو سکے قابل قدر ہے۔

آسمانی بادشاہت (صفحہ 48 سے) —— (ترتیب: سید اسحاق علی)

قال النبی ﷺ مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ و یقولون ھل لا وضعت ھذہ اللبنۃ فانا تلک اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔

(نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی تمثیل یوں ہے کہ ایک شخص نے ایک عمارت تعمیر کی تو اسے نہایت حسین و جمیل بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کو پسند کرتے لیکن یہ کہتے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی۔ سو میں وہی (کونے کے سرے کی) اینٹ ہوں اور میں خاتم النبین ہوں)

جب سیدنا مسیحؑ سے یہود بیزار ہو گئے تو انہوں نے ان کو رومی حکومت کے ہاتھوں قتل کروانے کی سازش تیار کی۔ جب آنجناب اس سے مطلع ہوئے تو اپنی ناہنجار قوم کو آخری مرتبہ یوں جھنجوڑا:

"اے یروشلم: اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے، کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے"۔ (متی 23: 38 - 39)

یہاں حضرت مسیحؑ یہود کو خدا کی لعنت سے بچانے کے لیے اپنی کاوشوں کا ذکر کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ یہود نے ان کی قدر نہیں کی لہٰذا اب ان سے نبوت کا منصب ہمیشہ کے لیے چھین لیا جائے گا۔ اب ان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ ان کی فلاح کی واحد صورت اب یہ ہے کہ اس نبی موعود پر ایمان لائیں جو خداوند کے نام سے آئے گا۔

مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے، حقیقت میں زبور کی مذکورہ تمثیل کا حصہ ہے (زبور 118:

بقیہ صفحہ 32 پر

امین احسن اصلاحی

قتل عمد کے احکام

ما یجب فی العمد
قتل عمد کے بارے میں حکم

حدثنی یحیی عن مالک عن عمر بن حسین مولیٰ عائشۃ بنت قدامۃ ان عبد الملک ابن مروان اقادولی رجل من رجل قتلہ بعصا فقتلہ ولیہ بعصا۔ قال مالک: والامر المجتمع علیہ الذی لا اختلاف فیہ عندنا ان الرجل اذا ضرب الرجل بعصا" او رماہ بحجرلو ضربہ عمد افمات من ذالک ھو العمد و فیہ القصاص۔ قال مالک فقتل العمد عندنا ان یعمد الرجل فیضربہ حتی تفیض نفسہ، ومن العمد ایضا ان یضرب الرجل الرجل فی النائرۃ تکون بینھما ثم ینصرف عنہ وھو حی فینزی فی ضربہ فیموت فتکون فی ذالک القسامۃ۔ قال مالک: الامر عندنا انہ یقتل فی العمد الرجال الاحرار بالرجل الحر الواحد، والنساء بالمراۃ کذالک، والعبید بالعبید کذالک۔

ترجمہ:- عمرو بن حسین جو عائشہ بنت قدامہ کے آزاد کردہ غلام ہیں روایت کرتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص کے ولی کو دوسرے شخص کے بدلے میں، جس کو اس نے لاٹھی سے قتل کر دیا تھا، قصاص دلوایا تو اس کے ولی نے اس شخص کو لاٹھی سے قتل کر دیا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک متفق بات یہ ہے، اور اس میں اہل مدینہ میں کوئی اختلاف نہیں، کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو عمداً" ڈنڈے سے مارے یا پتھر یا چوٹ لگائے اور وہ اس سے مر جائے تو وہ بھی قتل عمد ہی ہو گا اور اس میں قصاص ہو گا۔ امام مالک" کا فتوے یہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو مارنے کا قصد کرے اور اتنا مارے کہ اس کی جان نکل جائے تو یہ بھی قتل عمد ہی ہو گا۔ قتل عمد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کسی ہنگامے میں جو ان دونوں کے درمیان ہو گیا پیٹے، پھر وہ لوٹ جائے جبکہ دوسرا شخص ابھی زندہ ہو، پھر اس کا خون اس مار کی وجہ سے بہہ جائے اور اس معاملہ میں قسامہ ہو۔ امام مالک کا فتوے یہ بھی ہے کہ قتل عمد میں ایک آزاد آدمی کے بدلے میں کئی آزاد آدمی اور ایک عورت کے بدلے میں کئی عورتیں قتل کیے جا سکتے ہیں۔ غلاموں کے بارے میں بھی یہی قانون ہو گا۔

وضاحت:- ایک شخص دوسرے کو تلوار سے قتل کر دے یا لاٹھی کی ضرب سے مار دے یا اوپر سے نیچے گرا کر مار دے یہ سب قتل عمد ہی ہو گا۔ مالکیہ کا فتوے یہی ہے لیکن احناف کے نزدیک جب تک قتل کے لیے دھار دار آلہ استعمال نہ کیا جائے اس وقت تک اس کو قتل عمد نہیں کہتے۔ مثلاً" دو

فریقوں کی لڑائی میں اگر کسی نے لاٹھی ماری یا پتھر مار دیا تو وہ اس کو قتل عمد میں شامل نہیں کرتے۔ اس فتویٰ سے قصاص کی شکل بدل جاتی ہے۔ قتل عمد میں تو قصاص میں جان لی جاتی ہے اور اگر عمد نہ ہو تو اس میں دیت ہو سکتی ہے۔ نقطہ نظر کے اسی اختلاف کو اس روایت میں واضح کیا گیا ہے۔

میرے نزدیک احناف کا مسلک کمزور ہے کیونکہ قتل عمد میں اس بات کا تو لحاظ نہیں ہوتا کہ مارنے کا آلہ کیا ہے۔ بلکہ واقعہ کا ہوتا ہے۔ پیچھے ایک روایت گذر چکی ہے کہ باپ نے تلوار پھینک ماری اور وہ بیٹے کی پنڈلی میں لگی۔ اس کا سارا خون بہہ گیا اور وہ مر گیا۔ لیکن اس میں دیت ہی ہوئی۔ حالانکہ مارنے کا آلہ دھار دار تھا۔ احناف کے فتویٰ کے لحاظ سے یہ قتل عمد کا معاملہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن باپ بیٹے کا معاملہ ہونے کی وجہ سے اس کو قتل عمد قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ میرے نزدیک جس شکل میں بھی موت واقع ہو جائے' خواہ وہ پتھر یا ڈنڈے سے ہو یا کسی اور چیز سے یہ قتل عمد ہی ہو گا۔ اس زمانے میں تو جوڈو کراٹے میں گرانے سے بھی موت واقع ہو سکتی ہے اور بعض شکلیں ایسی بھی ہیں کہ پتہ بھی نہ چلے اور ایک شخص دوسرے کو مسل کے مار دے۔ پھر آجکل بندوق' پستول اور کلاشنکوف بھی اس معنی میں دھاردار تو نہیں جن سے قتل پر احناف قتل عمد کا اطلاق کر سکیں۔ تو واضح بات یہی ہے کہ جس طریقے سے بھی قتل ہو وہ قتل عمد ہی ہو گا الایہ کہ واقعات اس کے خلاف ہوں۔

اگر کسی جھگڑے میں مار پیٹ ہوئی' ہنگامی جوش اور دنگا فساد کی وجہ سے کوئی ایسا واقعہ ہو گیا کہ ایک شخص کو چوٹ لگی' وہ گھر واپس آیا تو خون بہہ گیا' طبی امداد نہ مل سکنے کے باعث مر گیا تو اس شکل میں کیا یہ قتل عمد ہو گا یا نہیں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس میں قسامہ ہو گا۔ قسامہ یہ ہے کہ اولیاء مقتول جن کو ملزم قرار دیں گے ان سے پچاس قسمیں لیں گے کہ یہ مقتول ان کی لاٹھی سے نہیں مرا۔ اور اسی طرح سے اولیائے مقتول پچاس قسمیں کھائیں گے کہ مقتول نامزد لوگوں کے ہاتھوں مرا۔ اگر ایک فریق قسم کھانے سے انکار کر دے تو فیصلہ قسم کھانے والے فریق کے حق میں ہو گا۔

قتل عمد میں ایک آزاد آدمی کے بدلے میں بہت سے قتل ہو سکتے ہیں۔ پیچھے حضرت عمرؓ کا اثر گذر چکا جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر پوری بستی کے لوگ قتل کی سازش میں شریک ہوتے تو میں سب کو قصاص میں قتل کروا دیتا۔ ایک شخص کا قتل ان تمام لوگوں کو شامل کر لیتا ہے جو اس واردات میں ملوث پائے جائیں۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ دیکھے کہ ملوث کس نوعیت کا ہے۔ عورتوں اور غلاموں کے بارے میں بھی یہی ہو گا۔

القصاص فی القتل
قتل کے قصاص کے بارے میں

حدثنی یحیی عن مالک انه بلغه ان مروان بن الحکم کتب الٰی معاویة بن ابی سفیان

یذکر انه اتی بسکران قد قتل رجلا فکتب الیه معاویة ان اقتله به۔

ترجمہ :- امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی ہے کہ مروانؓ بن حکم نے معاویہ بن ابی سفیانؓ کو لکھا کہ میرے پاس ایک شرابی کو لایا گیا ہے جس نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے۔ تو معاویہؓ نے ان کو جواب دیا کہ شرابی کو قصاص میں قتل کر دیں۔

وضاحت :- یہ امام مالکؒ کی بلاغات میں سے ہے کوئی مرفوع روایت نہیں۔ اس میں حضرت معاویہؓ کا وہ فیصلہ بیان ہوا ہے جو انھوں نے اپنے ایک عامل مروانؓ بن حکم کے استفسار پر صادر کیا۔

کتاب القسامه

قسامہ کا مطلب قسما قسمی ہے۔ جب ایک علاقے میں قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل رہا ہو تو ظاہر ہے کہ قسما قسمی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ علاقے کے لوگوں سے قسم لی جائے گی اور اس کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ اس کی کیا شکلیں ہیں یہ آگے آ رہا ہے۔

تبدیة اهل الدم فی القسامه
قسامہ کا آغاز مدعیوں سے کیا جائے گا۔

حدثنی یحیی عن مالک عن ابن ابی لیلٰی بن عبد الله بن عبد الرحمٰن بن سهل عن سهل بن ابی حثمة انه اخبره رجال من کبراء قومه ان عبد الله بن سهل و محیصة خرجا الٰی خیبر من جهد اصابهم فاتی محیصة فاخبر ان عبد الله بن سهل قد قتل و طرح فی فقیر بئر او عین فاتی یهود فقال: انتم والله قتلتموه؟ فقالوا والله ماقتلناه فاقبل حتی قدم علی قومه فذکر لهم ذالک ثم اقبل هو اخوه حویصة و هو اکبر منه و عبد الرحمٰن فذهب محیصة لیتکلم و هو الذی کان بخیبر' فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم کبر کبر یرید السن فتکلم حویصة ثم تکلم محیصة فقال رسول الله اما ان یدوا صاحبکم واما ان یا ذنو ابحرب فکتب الیهم رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ذالک فکتبوا انا والله ماقتلناه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لحویصة ومحیصه و عبدالرحمٰن اتحلفون و تستحقون دم صاحبکم فقالوا لا- قال افتحلف لکم یهود؟ قالوا لیسو ابمسلمین فوداه رسول الله صلی الله علیه وسلم من عنده فبعث الیهم بمائة ناقة حتی ادخلت علیهم الدار- قال سهل لقد رکضتنی منها ناقة حمراء۔

ترجمہ :- سہل بن ابی حثمہ سے روایت ہے کہ ان کو ان کی قوم کے بعض بڑوں نے خبر دی کہ عبد اللہ بن سہل اور محیصہ اپنی کسی مشکل کی وجہ سے' جس میں مبتلا ہو گئے تھے' خیبر گئے۔ محیصہ کے پاس کسی

انھوں نے کہا خدا کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا۔ محیصہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے اس کا ذکر کیا۔ پھر وہ، ان کے بھائی حویصہ جو ان سے عمر میں بڑے تھے اور عبد الرحمٰن مل کر گئے۔ محیصہ بات کرنے لگے اور وہی خیبر میں بھی تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے کو موقع دو، بڑے کو موقع دو۔ تو حویصہ نے بات شروع کی۔ پھر محیصہ نے بات کی۔ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اب دو ہی شکلیں ہیں۔ یا تو وہ تمہارے ساتھی کی دیت دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ بات یہود کی طرف رسول اللہ ﷺ نے لکھی تو انھوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ہم نے ان کو قتل نہیں کیا۔ تب آپؐ نے محیصہ، حویصہ اور عبد الرحمٰن سے فرمایا کہ آپ لوگ قسم کھانے کو تیار ہو تاکہ اپنے بھائی کے خون کے مستحق بن سکو۔ انھوں نے کہا کہ ہم قسم نہیں کھا سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہود قسم کھائیں تب۔ تو انھوں نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے دیت دے دی اور ان کے پاس سو اونٹ بھیجے یہاں تک کہ وہ ان کے گھر میں داخل کر دیئے گئے۔ سہل نے کہا کہ ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے ان کے پاؤں کو دبا دیا تھا۔

قال یحیی عن مالک عن یحیی بن سعید عن بشیر بن یسار انه اخبره ان عبد الله بن سهیل الانصاری و محیصة بن مسعود خرجا الی خیبر فتفرقا فی حوائجها فقتل عبد الله بن سهل فقدم محیصة فاتی هوو اخوه حویصة و عبد الرحمٰن بن سهل الی النبیؐ فذهب عبد الرحمٰن لیتکلم لمکانه من اخیه' فقال رسول الله ﷺ کبر کبر فتکلم حویصة و محیصة فذکرا شان عبد الله بن سهل' فقال لهم رسول الله ﷺ اتحلفون خمسین یمینا" تستحقون دم صاحبکم او قاتلکم- قالوا یا رسول الله لم نشهد و لم نحضر' فقال لهم رسول الله ﷺ فتبرئکم یهود بخمسین یمینا" فقالوا یا رسول الله کیف نقبل ایمان قوم کفار- قال یحیی بن سعید فزعم بشیر بن یسار ان رسول الله ﷺ وداه من عنده-

ترجمہ :- بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن سہل انصاری اور محیصہ بن مسعود خیبر گئے اور دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں نکل گئے۔ عبد اللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے تو محیصہ آئے۔ وہ، ان کا بھائی حویصہ اور عبد الرحمٰن بن سہل نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبد الرحمٰن نے چاہا کہ اپنے بھائی کے تعلق سے وہ خود بات کریں لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے کو موقع دو، بڑے کو موقع دو۔ اس پر حویصہ اور محیصہ نے بات کی اور عبد اللہ بن سہل کا معاملہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم پچاس قسمیں کھاتے ہو تاکہ اپنے بھائی کے خون کی دیت لو یا اپنے قاتل کو لو۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ، ہم نے دیکھا نہیں، ہم موجود نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو تھا تو اس میں آپ اہل کتاب کی پیروی کرتے۔ اہل کتاب کے ہاں یہ ہوتا تھا کہ قریب کی آبادی کے سرغنوں کو بلا کر ان سے قسم لی جاتی تھی اور یہ بات بھی تھی کہ قربانی کر کے اس کا خون مقتول پر

پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم کو سبکدوش کر دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ کافر لوگوں کی قسم کا ہم کیا اعتبار کریں۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ بشیر بن یسار کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے ان کو دیت دی۔

وضاحت :- قسامہ میں یہ ہوتا ہے کہ پہلے مدعیوں سے قسم لی جائے گی حالانکہ عام طریقہ یہ ہے کہ البینة للمدعی والیمین لمن انکر یعنی مدعی کے اوپر ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری ہوگی اور مدعا علیہ قسم کھا سکتا ہے۔ لیکن قسامہ میں الٹا معاملہ ہے۔ اس میں یہ چیز ہے کہ اگر مدعی قسم کھا کے کہیں کہ فلاں لوگوں نے قتل کیا ہے تب مقدمہ آگے چلتا ہے۔

عبد اللہ بن سہل کے قتل میں مدعیوں نے قسم کھانے سے انکار کیا کیونکہ وہ موقع پر موجود تو تھے نہیں کہ قسم کھائیں۔ انھوں نے یہود پر صرف شک کا اظہار کیا تھا۔ شک کے اوپر قسم نہیں کھائی جا سکتی۔ قسم تو قطعی بات پر کھائی جا سکتی ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے یہود کے متعلق کہا کہ اگر وہ قسم کھا لیں تو قضیہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن مدعیوں نے اس کو نہیں مانا اور کہا کہ ہم کافروں کی قسم کیسے باور کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمہ عدالت سے خارج ہو گیا اور قتل کی دیت سرکاری خزانے سے دلوا دی گئی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مدعی کے قسم کھا لینے سے بھی مقدمہ بن سکتا ہے۔ اس روایت سے اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ مالکیہ کا مذہب تو یہی ہے جو ان روایات میں بیان ہوا۔ شوافع کے ہاں قدیم رائے یہی تھی لیکن پھر بدل گئی۔ ان کے ہاں قدیم اور جدید کا جھگڑا ہے۔ احناف کے متعلق زرقانی اور شاہ ولی اللہ نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الآثار میں حضرت عمرؓ کا اثر نقل کیا ہے۔ ان کو یمن کے گورنر نے لکھا کہ یہاں ایک قتل ہو گیا ہے لیکن قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مقتول کی جگہ سے سب سے قریب جو آبادی ہے اس آبادی کے پچاس آدمیوں سے قسم لو۔ وہ براءت کا کہیں تب بھی قسم کھائیں اور اگر اعتراف کریں تب بھی قسم کھائیں۔ اور اگر قسم نہ کھائیں تو پھر کسی پر الزام نہیں البتہ دیت کی ادائیگی کے وہ ضامن ہونگے۔ یہ اس لیے کہ ان کے علاقے میں قتل ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ منطقی ہے۔

قسم کے متعلق یہ بات ہے کہ وہ صرف ذمے دار لوگوں سے ہی لی جائے گی اور ایک آدمی ایک قسم کھائے گا۔ اگر قریب کی آبادی میں پچاس سے کم آدمی ہوں تو جتنے ہوں انکی قسم ہی کافی ہو گی۔

حضرت عمرؓ کا مسلک تورات کے موافق ہے اور اس کے متعلق شارحین لکھتے ہیں کہ یہی طریقہ جاہلیت میں رائج تھا۔ اسی پر آنحضرتؐ نے عمل کیا۔ اگر آنحضرتؐ نے جاہلیت کے کسی قانون پر عمل کیا تو وہ اسلام کا حصہ ہو گیا۔ آنحضرتؐ کا یہ معمول رہا کہ جس معاملے میں اسلام کا قانون نہیں آتا نے آکر خبر دی کہ عبد اللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے ہیں اور ان کو ایک کنویں کی تہ میں یا ایک چشمے کے اندر ڈال دیا گیا ہے۔ وہ یہود کے پاس آئے اور کہا کہ خدا کی قسم تم لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے۔

چھڑک کر قسم لیتے تھے تاکہ قسم کو زیادہ مقدس کیا جائے۔ لیکن قسم کا طریقہ یہی تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ طریقہ آنحضرتؐ کے زمانے میں رائج ہو چکا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کو کیوں اختیار نہ کیا۔ یہ اختلاف کوئی معمولی بات نہیں۔ میرے نزدیک انہوں نے اس کو اس لیے نہیں مانا کہ روایت میں بیان کردہ واقعہ میں آنحضرتؐ نے بیچ کے آدمی کے طور پر معاملہ رفع کر دیا اور مدعیان کو بیت المال سے دیت دلا دی۔ اس کو اسلامی قانون کا حصہ نہیں بنایا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کی واردات میں خلیفہ راشد کی حیثیت سے تورات کا طریقہ جاری کیا۔ حضرت عمرؓ کے اسی اثر پر احناف کا مسلک یہ ہے کہ قریب کی آبادی والوں سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ قسم کھائیں کہ وہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں۔ اگر وہ قسم کھالیں تو قتل سے بری ہو جائیں گے لیکن دیت دینی پڑے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس علاقے میں قتل کا واقعہ ہو اس کی ذمہ داری علاقے کے لوگوں پر ہوتی ہے تاکہ ان میں یہ احساس ہو کہ اگر ایسا واقعہ ان کے علاقے میں ہوا تو سب اس کو بھگتیں گے۔ یہ ذمہ داری اس لیے بھی ضروری ہے کہ قتل اور ڈکیتی جیسے جرائم کا سدباب ہو سکے۔ احناف کا مذہب زیادہ معقول ہے۔

آسمانی بادشاہت (صفحہ 26 سے) (ترتیب سعید احمد)

26) اس میں نبی ﷺ کی طرف اتنا واضح اشارہ ہے کہ ایک متعصب اور ہٹ دھرم مخالف ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق معلوم ہے کہ بعثت سے قبل آپ غار حرا میں عبادت کے لیے جایا کرتے تھے۔ آپ وہیں تھے جب اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ آیا اور آپ کو پڑھنے کے لیے کہا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر فرشتہ نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور پھر پڑھنے کے لیے کہا۔ دوبارہ او. سہ بارہ اسی جواب پر فرشتہ نے کہا اقرا باسم ربک (اپنے رب کے نام سے پڑھو) مطلب یہ کہ پڑھا یا بے پڑھا ہونا یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تم نے اپنے خداوند کے نام سے پڑھنا ہے۔ قرآن مجید کو کھولیے تو اس کا آغاز **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** سے ہوتا ہے۔ یعنی "اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے"۔ یوں ہر شخص جو نبی ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم سے واقف ہونا چاہتا ہے وہ اس کا سرنامہ اللہ کے نام ہی کو پاتا ہے۔

قرآن مجید نے نبی ﷺ کے لیے مسیح علیہ السلام کی مذکورہ منادی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا

قل ارایتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ و شہد شاہد من بنی اسرائیل علی مثلہ فامن واستکبرتم ان اللہ لا یہدی القوم الظلمین (احقاف 10)

(ان سے پوچھو کہ اس وقت کیا ہو گا اگر یہ (قرآن) اللہ کی جانب سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک عظیم شاہد نے اس کے مانند کتاب کی گواہی بھی دی ہے۔ سو وہ تو اس پر ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا)

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام واضح علامات اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تبشیرات کے باوجود یہود بحیثیت مجموعی اس پیغمبر آخر الزمانؐ پر ایمان نہ لائے جو نوید مسیحا بن کر خداوند کے نام سے آیا اور اس کی وجہ ان کا تکبر تھا۔

مقالات

خالد مسعود

رسول اللہؐ کی دعوت کے مکی دور میں اہل کتاب کا کردار

منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں صرف قریش اور ان کے ہم مسلک مشرکین ہی سے سابقہ پڑا یا دوسرے مذاہب، بالخصوص اہل کتاب کے دو بڑے گروہوں، یہود اور نصاریٰ سے بھی، یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سوال سے مستشرقین کو خاص دلچسپی رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس مفروضہ پر کام کرتے ہیں اس کے مطابق قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے اور یہ الہامی کتاب نہیں۔ چونکہ قرآن مجید کا معتدبہ حصہ اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ اور ان کی تاریخ کے حوالوں پر مشتمل اور ان کے صحیفوں اور معتقدات کا محرم راز نظر آتا ہے، لہٰذا مستشرقین اس حقیقت کا مواجہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ محمد ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ میں کچھ اہل کتاب موجود تھے جنہوں نے قرآن کی تصنیف کے لیے ان کو کچھ ادھوری معلومات فراہم کیں۔ علاوہ ازیں، آنحضرتؐ اپنے تجارتی سفروں کے دوران یہود و نصاریٰ کے مذاہب سے کسی قدر واقف ہو چکے تھے، چنانچہ آپ نے قرآن میں اپنی معلومات اور اہل کتاب کی اعانت سے فراہم کردہ حقائق جمع کر دیے۔ یوں آپ کی تصنیف میں اہل کتاب کا تذکرہ آ گیا۔

عرب میں اہل کتاب کی آبادیاں:

اہل تحقیق جزیرہ نمائے عرب میں اہل کتاب کی بکثرت موجودگی کے بالعموم قائل ہیں اور یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ اس زمانہ میں یثرب اور اس کے شمالی علاقوں خیبر، فدک اور وادی القریٰ میں یہود آباد تھے۔ جنوبی عرب میں بھی ان کی بستیاں تھیں۔ اس کے برعکس شمالی عرب عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہاں سے رومی سلطنت قریب تھی۔ وہ بالعموم ایرانیوں کے ساتھ برسرپیکار رہتی۔ لہٰذا اس کی کوشش ہوتی کہ وہ سرحدی علاقوں کے عربوں کو اپنے ہاتھ میں رکھے اور ان کی افرادی قوت کو دشمن کے خلاف استعمال کرے۔ چنانچہ ان علاقوں پر رومیوں کی نوازشات رہتیں، عرب سرداروں کو اہمیت اور ان کی حکومتوں کو مراعات دی جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی عرب کے قبائلی سردار عیسائی ہو گئے اور ان کے زیر اثر علاقوں میں بھی عیسائیت نے نفوذ کر لیا۔ شام کو یمن سے ملانے والی شاہراہ عرب کے مغربی ساحل کے قریب سے گزرتی تھی۔ اس پر عیسائی راہبوں نے بکثرت خانقاہیں قائم کر رکھی تھیں۔ جنوبی عرب میں یمن عیسائیوں کا گڑھ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ بحر احمر کے دوسری جانب واقع ابی سینیا کی عیسائی حکومت کی عملداری میں مدتوں رہا۔ عرب قبائل میں سے بنو طے، بنو حارث، بنو غسان، بنو تغلب، بنو کلب اور یمامہ کے بنو حنیفہ میں عیسائیت کافی سرایت کر گئی تھی۔ تاہم وسطی عرب بالعموم مشرکانہ نظام اختیار کیے ہوئے تھا۔

مکہ میں اہل کتاب کا وجود:

خاص مکہ میں یہود و نصاریٰ اجنبی نہ تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عزیز ورقہ بن نوفل صحیح بخاری کی روایت کے مطابق انجیل کو اس کی اصل زبان میں لکھتے پڑھتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل، سلمان فارسی، ابو فکیہہ رومی، ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ پہلے عیسائی تھے۔ نبی ﷺ کے متبنیٰ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا تعلق بنو کلب سے تھا جن میں عیسائیت جانی پہچانی تھی۔ جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے اکابر کے دوستانہ تعلقات قریشی سرداروں کے ساتھ ایک تاریخی حقیقت ہیں۔ یثرب کے بعض بااثر یہودی مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہودی سردار کعب بن اشرف کا مکہ میں ہفتوں قیام رہتا۔ قریشی سرداروں کی آمدورفت مدینہ کے بنو نضیر کے ہاں رہتی۔ یہی تعلقات بعد میں اس وقت مسلمانوں کے خلاف جنگیں برپا کرنے میں کام آئے جب نبی ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کی۔

مکہ اہل عرب کا ایک مرکزی شہر تھا جہاں ہر قوم و قبیلہ اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں سالانہ حج کا اجتماع جاری فرمایا جس کی روایت ان کی نسل میں ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئی۔ انھوں نے بیت اللہ کی تولیت کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تقرر فرمایا لہٰذا بنو اسماعیل اس ذمہ داری کے وارث ہوئے۔ لیکن چونکہ ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کے جد امجد بھی تھے لہٰذا بنی اسرائیل کے اندر مکہ کے اس مرکز سے وابستگی اور عقیدت کا پایا جانا قرین قیاس ہی نہیں، لازم ہے۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت کی بدولت بنی اسرائیل حج کے لیے بھی مکہ جایا کرتے ہوں گے اور بعد کے ادوار میں جس طرح انھوں نے نماز کی عبادت کو ضائع کر دیا اسی طرح حج سے بھی دستبردار ہو گئے ہوں گے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں اہل کتاب حج کی عبادات میں شامل ہوتے رہے ہوں یا ان سے اجتناب کرتے رہے ہوں، تاہم تاریخ سے اس اہم اجتماع میں ان کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ خود مستشرقین تاریخی حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں نبی ﷺ نے منیٰ میں نجران کے اسقف اعظم قس بن ساعدہ کی تقریر سنی تھی۔ حج کے اجتماع کی سیاسی، سماجی اور تجارتی اہمیت کے باعث اہل کتاب کے لیے عربوں کے اس اہم قومی مرکز کو نظرانداز کرنا ممکن نہ تھا۔

قرآن کی "تصنیف" میں اہل کتاب کا حصہ:-

باقی رہ گیا یہ سوال کہ کیا جزیرہ نمائے عرب میں اہل کتاب کی موجودگی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کی مدد سے قرآن تصنیف کیا تو یہ بات کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً" مستشرقین اوائل اسلام کے مکہ میں جن اہل کتاب کی موجودگی اب تک ثابت کر پائے ہیں وہ یا تو غلام تھے یا محنت کش۔ ان کی معلومات ایسی نہیں ہو سکتیں جن کی بناء پر

اہل کتاب کے علماء کی معلومات کو محل نظر ٹھہرایا اور معرض بحث میں لایا جا سکتا۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کی تاریخ اور ان کے عقائد پر ایسی بھرپور بحث کی ہے جو سنی سنائی معلومات کے بل بوتے پر ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ اس میں اہل کتاب کے غلط تصورات کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ ثانیاً" کسی بھی مذہب کے لوگ اپنے مذہب کے وفادار ہوتے ہوئے ایک متوازی دین قائم کرنے میں کیسے ممد معاون ہو سکتے تھے؟ وہ اپنے ہی گھر میں نقب کیوں لگاتے؟ ان کی مخالفت تو قرین قیاس ہے لیکن نبی ﷺ کے مشن میں ان کی معاونت بالکل غیر فطری ہے۔ نبی ﷺ کی آواز بعثت کے وقت ایک تنہا آدمی کی آواز تھی۔ اس پر لبیک کہنا اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اہل کتاب ان کی اعانت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو آخر کس طمع میں؟ ان کا کوئی مفاد اس سے پورا نہیں ہو رہا تھا۔ ثالثاً" قرآن مجید میں اہل کتاب سے متعلق حصہ بہت زیادہ نہیں۔ فرض کر لیجیے کہ اس حصہ کی تصنیف اہل کتاب کی معاونت سے ممکن ہوئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی حصہ جو اہل کتاب سے متعلق حصہ سے چھ سات گنا زیادہ ہے کس کی اعانت سے مرتب ہوا۔ گویا قرآن کی تصنیف کا معاملہ پھر بھی حل طلب رہتا ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے یہ دانشور یہ بات تو تسلیم کرتے ہیں کہ بیسیوں مصنف باہم مل کر بھی شیکسپیئر کے ڈراموں کی نظیر پیش نہیں کر سکتے جو بہرحال ایک انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ اسی طرح یہ تسلیم کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہے کہ سائنس دانوں کی ایک بڑی جماعت آئن سٹائن کی پشت پر رہی ہو گی جس کی مدد سے یہ عظیم سائنس دان اپنا نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔ لیکن قرآن مجید کے بارے میں، جس کے کھلے چیلنج کے باوجود اس جیسی ایک سورہ چودہ صدیوں میں تصنیف نہ ہو سکی، یہ بزبانگ دی جاتی ہے کہ اس کو چند معمولی افراد کی مدد سے محمد ﷺ نے تصنیف کر لیا جبکہ یہ بات بھی طے ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا اور آپؐ امی تھے۔

قرآن مجید کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی دلیل کے طور پر یہی بات کافی ہے کہ ایک شخص جس نے نہ آسمانی صحیفوں میں سے کوئی صحیفہ پڑھا، نہ وہ لکھنے کے فن سے واقف ہے، آخر اس کے اوپر سابق صحیفوں کی مانند کلام اور انہی جیسے اعلیٰ مضامین کیسے وارد ہو گئے اور وہ پچھلی امتوں اور رسولوں کے احوال سے کیسے واقف ہو گیا؟ فرمایا وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (عنکبوت ۴۸)(اور تم تو اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے والا من میکھ نکالتے)۔ لہٰذا ہمارے نزدیک مکہ میں اہل کتاب کا ہونا یا نہ ہونا قرآن کی تصنیف کے پہلو سے قطعاً" کوئی اہمیت نہیں رکھتا البتہ ہمیں ان کے وجود سے دلچسپی یہ جاننے کے لیے ہے کہ رسول اللہؐ کی دعوت کے اس دور میں جب آپ مکہ میں تھے، اہل کتاب بھی آپ کے پیش نظر تھے یا نہیں، اور اگر تھے تو اس دعوت کی حمایت یا مخالفت میں ان کا رول کیا تھا۔ سیرت کی کتابیں بالعموم ہمیں اس بارے میں کوئی رہنمائی

نہیں دیتیں لیکن قرآن مجید کے مطالعہ بغور کیا جائے تو کئی حقائق سے پردہ اٹھتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب رسول ﷺ کی دعوت اور اس کے ممکنہ نتائج سے نہ صرف پوری طرح آگاہ تھے بلکہ انھوں نے قریش کو اس کے مقابلہ پر خم ٹھونک کر آنے میں پوری علمی' اخلاقی و سیاسی مدد دی۔ ان کو یہ پوزیشن دلانے میں خود قریش کی نفسیات کو دخل تھا جو اپنے بارے میں یہ جانتے تھے کہ ہزاروں برس سے ان کے اندر کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور نہ وہ کسی الہامی کتاب کے حامل ہیں۔ اسی بناء پر وہ اپنے آپ کو "امی" یعنی الہامی کتب سے نابلد کہتے۔ وہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ پیغمبروں کی تعلیمات سے واقف اور تورات' زبور اور انجیل کے حامل ہیں' لہٰذا وہ ان کو "اہل کتاب" کا لقب دیتے اور دینی امور میں اپنے اوپر ان کو فوقیت دیتے۔ اہل کتاب بھی اپنے اس تفوق کا شعور رکھتے اور اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔

مکی دور میں اہل کتاب کے رویے :-

چونکہ نبی ﷺ کی بعثت قریش میں ہوئی لہٰذا وہی آپ کے اولین مخاطب تھے۔ خاص مکہ میں اہل کتاب کی نفری بھی معمولی تھی اور ان کی سیاسی حیثیت بھی نہ ہونے کے برابر تھی اس لیے نزول قرآن کے ابتدائی دور میں ہمیں اہل کتاب کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ بعد میں جب قریش کے ساتھ مباحثہ گرم ہوا' اس وقت اہل کتاب بھی متحرک ہو گئے۔ اس زمانہ میں قریش کی زبان پر جو اعتراضات آئے وہ سادہ امی ذہن کے اعتراضات نہیں بلکہ وحی و الہام سے واقفیت رکھنے والے لوگوں کے اعتراضات ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل کتاب کے القا کردہ ہیں۔ قرآن مجید نے ان اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے بعض مقامات پر اہل کتاب کو بھی مخاطب کر لیا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اعتراضات حقیقت میں اہل کتاب ہی کے اٹھائے ہوئے تھے۔

نزول قرآن کے ابتدائی دور میں اہل کتاب کا تذکرہ نہ ہونے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کی دعوت کا دائرہ اعزہ و اقربا تک محدود تھا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب کے علم ہی میں یہ بات نہ آئی ہو کہ آخری پیغمبر مکہ میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی بات ان کے کانوں تک پہنچی بھی ہو تو انھوں نے اس دعوت کو درخور اعتنا نہ سمجھا ہو۔ دعوت جونہی اعزہ و اقربا سے نکل کر قریش کے دوسرے خانوادوں تک پہنچی تو معلوم ہوتا ہے جہاں انھوں نے ازخود اس کا مقابلہ کیا وہیں اپنے تعلق والے اہل کتاب کی طرف رجوع کیا اور اس بارے میں ان کی رائے جاننے کے خواہشمند ہوئے کہ یہ شخص واقعی نبی ہے یا نہیں' نبی کو پہچاننے کے طریقے کیا ہیں اور اگر یہ نبی نہیں ہے تو ہم اس کے ساتھ کیا رویہ رکھیں۔ قریش میں ایک نبی کی بعثت کا معاملہ اہل کتاب کے لیے سوہان روح تھا۔ وہ اپنی کتابوں میں وارد پیشگوئیوں کی بنا پر خود ایک عظیم رسول کی بعثت کے منتظر تھے۔ وہ اس کی ذات سے خدا کی نصرت اور دوسری اقوام پر غلبہ کی توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ انھیں یہ امید تھی کہ آخری رسول بنی اسرائیل کے سلسلہ انبیاء ہی کے ایک فرد ہوں گے۔

بنی اسماعیل کو وہ ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھتے رہے تھے اس لیے رسالت کا تاج ان کے سروں پر سجا ہوا انھیں ایک نظر نہیں بھایا۔ دوسری طرف زمنی حقیقت یہ تھی کہ قریش عرب کے سردار تھے۔ رسول اللہ کی علانیہ مخالفت کرنے کی صورت میں اندیشہ تھا کہ عربوں کی قومی حمیت نہ جاگ اٹھے۔ اس لیے اہل کتاب کی منصوبہ بندی نہایت محتاط نظر آتی ہے۔ مکی دور میں ان کے دو رویے سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ نئی نبوت کے رنگ ڈھنگ دیکھتے رہو اور حالات پر کڑی نظر رکھو' جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنا نقصان دہ ہو گا۔ دوسرا یہ کہ قریش کو اکسا کر انھیں اس دعوت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا جائے اور اہل کتاب خود پارٹی بننے سے گریز کریں۔

قرآن کے وحی ہونے پر اعتراض :-

نبی ﷺ جو کچھ پیش کرتے اس کے بارے میں یہ وضاحت فرما دیتے تھے کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مجھے اس کی تبلیغ کا حکم ہوا ہے۔ اہل کتاب نے پہلے پہل قریش کو یہ باور کرانا چاہا کہ جو شخص بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر خدا نے کوئی کتاب اتاری ہے وہ برخود غلط آدمی ہے۔ بھلا خدا کسی شخص پر وحی کے ذریعے کتاب کیوں نازل کرے گا۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کی اس شرارت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا:-

وما قدروا الله حق قدره اذ قالوا ما انزل الله على بشر من شیء قل من انزل الكتب الذی جاء به موسٰی نورا و هدی للناس تجعلونه قراطیس تبدونها و تخفون كثیرا و علمتم مالم تعلموا انتم ولا اباؤكم قل الله ثم ذرهم فی خوضهم یلعبون (انعام ۹۱)

(اور انھوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں پہچانی جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر بھی کوئی چیز نہیں اتاری۔ ان سے پوچھو' وہ کتاب کس نے اتاری جس کو موسیٰ روشنی اور لوگوں کے لیے ہدایت کی حیثیت سے لے کر آئے' جس کو تم ورق ورق کر کے کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور زیادہ کو چھپاتے ہو' اور تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا؟ کہہ دو اللہ ہی نے۔ پھر ان کو ان کی کج بحثیوں میں چھوڑ دو' کھیلتے رہیں)۔

حیرت ہوتی ہے کہ اتنا لایعنی اعتراض اہل کتاب کو سوجھا کیوں' جبکہ ان کی اپنی شناخت اسی بنیاد پر تھی کہ وہ وحی و الہام سے واقفیت رکھنے والے لوگ تھے۔ یقیناً" وہ قریش کی سادہ لوحی اور امور وحی سے ان کی عدم واقفیت سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اسی لیے جواب یہ دیا گیا کہ آخر موسیٰ علیہ السلام جو کتاب (تورات) لائے تھے اس کا منبع کون سا تھا۔ تورات کے نزول کے وقت اگر انسانوں کو آسمانی رہنمائی اور روشنی کی ضرورت تھی تو کیا اب وہ اس کے ضرورت مند نہیں رہے؟ یا کیا اب اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی کے کام سے دستبردار ہو چکا ہے؟ جب اہل کتاب تورات کی تعلیم کو چھپا چھپا کے رکھیں گے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو تاریکی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے گا؟ خداشناسی کے ان

مدعیوں نے اللہ رب العزت کو بہت کم پہچانا ہے۔ وہ اس کی صفات سے آگاہ ہیں اور نہ اس کے افضال و عنایات سے۔

اہل کتاب کا القا کردہ اسی طرح کا مضحکہ خیز دوسرا اعتراض یہ تھا کہ وحی آسمانی کی خاص زبان عبرانی ہے۔ تمام صحیفے اسی زبان میں نازل ہوئے جبکہ قرآن عربی میں ہے۔ اگر یہ واقعی آسمانی صحیفہ ہوتا تو اسے عبرانی زبان میں ہونا چاہیے تھے۔ آخر اللہ میاں وقت گزرنے کے ساتھ اپنی زبان تو نہیں بدلے گا۔ اس اعتراض کے جواب میں فرمایا:

ولو جعلناہ قرانا اعجمیا لقالوا لولا فصلت آیتہ ءاعجمی و عربی قل ھو للذین امنوا ھدی و شفاء والذین لا یومنون فی اذانھم وقر و ھو علیھم عمی اولئک ینادون من مکان بعید (حم السجدہ ۴۴)

(اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی قرآن کی شکل میں اتارتے تو یہ لوگ یہ اعتراض اٹھاتے کہ اس کی آیات کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی! کلام عجمی اور مخاطب عربی! کہہ دو یہ ان لوگوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے جو اس پر ایمان لائیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں تو ان کے کانوں میں بہراپن ہے اور یہ ان کے اوپر ایک حجاب ہے۔ اب یہ لوگ ایک دور کی جگہ سے پکارے جائیں گے)

یعنی یہود کے صحیفوں کے مخاطب عبرانی تھے تو صحیفے بھی عبرانی میں نازل ہوئے۔ قرآن کے مخاطب عربی ہیں تو ضروری ہوا کہ آسمانی ہدایت عربی زبان ہی میں نازل ہو ورنہ اس کلام کو سمجھنے والا کوئی نہ ہوتا اور اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا کہ عربی مخاطبوں کے سامنے عجمی کلام پیش کرنے کا کیا تک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب ہدایت سے آنکھیں بند رکھ کر ان کو تاریکی ہی کا خوگر بنا لیا ہے۔ اب قرآن مجید کی روشنی مہیا ہوئی ہے تو یہ ان کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور وہ اس کی تاب نہیں لا رہے ہیں۔ کیا وہ رسول کے پیغام پر کان دھرنے کے بجائے یہ پسند کریں گے کہ قیامت کے روز اللہ کا منادی ان کو پکارے اور ہدایت سے اعراض کے جرم میں انکو جہنم کی طرف لے جائے۔

اہل کتاب کی معاونت کا الزام:-

اہل کتاب کے لیے ایک پریشان کن صورت حال اس وقت پیدا ہوتی جب قرآن انہی کی تاریخ کے حوالے دیتا اور قریش کو ایسی باتوں سے آگاہ کرتا جن کا ذکر ان کے صحیفوں میں تھا۔ اس پر وہ یہ موقف اختیار کرتے کہ محمد ﷺ اس کتاب کو بعض اہل کتاب کی مدد سے مرتب کر رہے ہیں۔ یہ اعتراض بالعموم مبہم ہوتا تاکہ اس کی اصلیت کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ یہ کہا جاتا کہ کچھ لوگ صبح و شام محمدؐ کو لکھ کر دے دیتے ہیں اور وہ اسے لوگوں کو سنا دیتے ہیں۔ اتفاق سے جو لوگ نبی ﷺ کے قریب تھے وہ عجمی تھے' لہٰذا انہی کا نام ان کی زبان پر آتا۔ اس پر قرآن نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان

عربی مبین (نحل ۱۰۳)

(اور ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو تو ایک انسان سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے جبکہ یہ فصیح عربی زبان ہے)

مطلب یہ ہے کہ یہ لغو اعتراض کرنے سے پہلے قرآن مجید کے بیان کی سطوت و جلالت اور اس کی زبان کی بے مثال فصاحت ہی پر غور کر لیتے۔ کیا ایک عجمی شخص ایسا کلام مرتب کرنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو قریش اپنے بے پناہ وسائل کو استعمال کرکے اہل کتاب کی ایک جماعت سے قرآن کی نظیر تیار کرنے کی خدمت کیوں نہیں لے سکتے۔

قرآن کی تالیف میں اہل کتاب کی معاونت کی بات دوسرے پہلو سے بھی بالکل بے حقیقت ہے۔ اگر فی الواقع یہ معاونت ہوتی تو قرآن کا بیان تورات کے مطابق ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقل تیار کرنے میں کوئی دانشمند آدمی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ نقل اصل کے مطابق نہ رہے۔ ورنہ لوگ فوراً انکار کر دے سکتے ہیں۔ قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے تورات کے بیان کی موافقت کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ وہ بیان دیا ہے جو حقیقت پر مبنی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے بیانات میں مضمون کا فطری ارتقاء نظر آتا ہے جبکہ تورات میں ایسا نہیں۔ بسا اوقات قرآن نے تورات کو بیان کو غلط کہہ کر اس کو درست کر دیا ہے۔ لہٰذا قرآن کا انداز محاکمہ کا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل کتاب کی کوئی جماعت پیغمبر ﷺ کی خاطر ایسا کیوں کرتی!

یاد رہے کہ اہل کتاب کی معاونت کا یہی گھسا پٹا اعتراض آج کے عقلیت پسند دور میں مستشرقین نے اٹھا رکھا ہے۔ یہ چودہ سو سال پہلے جس طرح مبہم تھا آج کی دقیقہ رس جستجو کے بعد بھی اسی طرح مبہم ہے۔ وسائل تحقیق سے لیس مغربی محققین اس کو مدلل اور حقیقت پسندانہ بنانے پر قادر نہیں ہو سکے۔ ولیم میور کی بے چارگی کا انداز اس سے کیجیے کہ وہ مختلف احتمالات کا تذکرہ ایسے طور پر کرتا ہے کہ تحقیق بھی اس پر سر پیٹ کر رہ گئی ہوگی۔ کہتا ہے:-

> "مکہ اور مدینہ میں عیسائی روایات ناکافی تھیں جن کی مدد سے محمد ایسی تحریر لا سکتے جو بہت سے مقامات میں بائبل سے مطابقت رکھتی ہو۔ ہو سکتا ہے محمد نے مکہ کے غلاموں سے اہل کتاب کی معلومات سن رکھی ہوں لیکن یہ غلام بالعموم لڑکپن میں اپنے اپنے علاقوں سے لائے گئے تھے' انہیں چند کہانیاں یا بنیادی عقیدے یاد رہ گئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کسی نے لوقا کی ابتدائی سطور پڑھ رکھی ہوں جن میں یحییٰ کی ولادت کا ذکر ہے۔ اس نے محمد سے اس کا تذکرہ کر دیا ہو۔ ہو سکتا ہے کسی نے اپنی یادداشت سے کچھ بیان کر دیا ہو"۔

The Life of Mahomed, William Muir, Vol. II. p. 310

Smith Elder & Co., London (1861)

قرآن اور قدیم صحف میں فرق کا اعتراض:

اہل کتاب نے جب یہ دیکھا کہ نئی نبوت کا انحصار قرآن مجید پر ہے جو الہامی کلام کے طور پر لوگوں کو سنایا جاتا ہے اور وہ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں تو انھوں نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سابق کتاب تورات موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی نئی کتاب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ اس کے جواب میں قرآن نے یہود کا وہ رویہ سامنے کر دیا جو انھوں نے تورات کے ساتھ ملحوظ رکھا تھا۔ فرمایا

كما انزلنا على المقتسمين الذين جعلوا القرآن عضين (حجر ۹۰ - ۹۱)

(اسی طرح ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر بھی اتارا تھا جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیے)

اس میں اشارہ ہے یہود کی اس حرکت کی طرف کہ انھوں نے حق کو چھپانے کی غرض سے تورات کے حصے بخرے کر دیے اور ان پر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی ہدایت عام لوگوں کی رسائی میں نہ رہی۔ یہود کے علماء اپنی حسب منشاء اس میں تحریف کرتے اور خلق خدا کو صراط مستقیم سے محروم رکھتے۔ علمائے یہود کی اس حرکت پر اپنے دور نبوت میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو یہ کہنا پڑا کہ چراغ اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس کو چراغ دان پر رکھا جائے تاکہ اس کی روشنی چاروں طرف پھیلے' نہ اس لیے کہ اس کو پیمانے سے ڈھانپ دیا جائے۔ یہود کی اس حرکت کے باعث تورات کے بعض حصے تلف ہو گئے۔ ایک وقت آیا جب تورات گم ہو گئی اور اس کو یادداشت کی مدد سے دوبارہ مرتب کیا گیا۔ چنانچہ نزول قرآن کے وقت تورات کے نام سے جو کچھ یہود کے پاس تھا وہ متضاد و متناقض روایات کا ایک مجموعہ تھا۔ آج بھی تورات کو پڑھیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راوی اپنے الفاظ میں کتاب کو املا کرا رہا ہے۔ کہیں کہیں بعض اقتباسات ایسے ملتے ہیں جن میں آسمانی کلام کا جمال و جلال نظر آتا ہے۔ تورات کی اس ہیئت کذائی کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رہنمائی کا کوئی متبادل انتظام نہ کرتا تو اس میں مخلوق خدا کی حق تلفی ہوتی۔

اپنے اس اعتراض کو مدلل کرنے کے لیے یہود یہ کہتے کہ قرآن میں کھانے پینے کے احکام ان احکام سے مختلف ہیں جو تورات میں دیے گئے تھے۔ اسی طرح سبت کا حکم جو تورات کی شریعت کا ایک اساسی حکم تھا' قرآن میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر قرآن ایک الہامی کتاب ہوتا تو اس میں تورات کے احکام سے سرمو انحراف نہ ہوتا۔ بھلا اللہ میاں آئے دن اپنے احکام بدل دیا کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن محض افترا پردازی ہے۔ قرآن مجید نے شریعت کی تبدیلی کے اس اعتراض کی وضاحت یوں کی کہ اللہ تعالیٰ نے نزول شریعت میں ترتیب و تدریج ملحوظ رکھی ہے۔ اس تدریج کا تقاضا ہوا کہ احکام اب کسی خاص قوم کے مزاج کے لحاظ سے نہیں بلکہ عام فطرت انسانی کے لحاظ سے دیے جائیں۔ قرآن میں جو احکام دیے گئے وہ ملت ابراہیم کے مطابق دیے گئے جبکہ یہود کی شریعت میں دخل ان کے قومی

مزاج کو بھی تھا۔ یہود نے بہت سے احکام خود اپنے اوپر نافذ کر لیے اور اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کو ان پر باقی رکھا۔ یہود اتنے سرکش تھے کہ ان کی تربیت کے لیے ملت ابراہیم سے ماورا ان کے بندھنوں میں اضافہ کرنا پڑا۔ البتہ ان سے یہ وعدہ کیا گیا کہ جب آخری رسول مبعوث ہوں گے تو وہ یہود کی ان بیڑیوں کو کاٹ کر ان کا بوجھ ہلکا کریں گے۔ سورہ نحل کی حسب ذیل آیات میں یہود کے اٹھائے ہوئے انھی اعتراضات کا حوالہ ہے:

واذا بدلنا ايه مكان ايه والله اعلم بما ينزل قالوا انما انت مفتر بل اكثرهم لا يعلمون (نحل ۱۰۱)

(اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بھیجتے ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اتارتا ہے' تو یہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے جی سے گھڑ لینے والے ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ہیں)

و على الذين هادوا حرمنا ما قصصنا عليك من قبل وما ظلمنهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون (نحل ۱۱۸)

(اور جو یہودی ہوئے ان پر بھی ہم نے وہی چیزیں حرام کیں جو ہم نے پہلے تم کو بتائیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے)

انما جعل السبت على الذين اختلفوا فيه وان ربك ليحكم بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون (نحل ۱۲۴)

(سبت انھی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنھوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا اور بے شک تمھارا رب ان چیزوں کے باب میں' جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں' قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا)۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مکی دور ہی میں یہود نبی ﷺ کی دعوت سے خاصے واقف ہو چکے تھے۔ انھیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ پیغمبر ان کی شریعت کو منسوخ کرنے والے اور قرآن ان کی الہامی کتابوں کی جگہ لینے والا ہے۔ وہ اگرچہ قرآن کے اصل مخاطب نہیں تھے لیکن کھانے پینے کے احکام اور سبت کی پابندیوں کے بارے میں ان کی تشویش اس دور میں بھی بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

معجزات کا مطالبہ:

وحی و الہام اور قرآن مجید کے حوالے سے اعتراضات کے علاوہ اہل کتاب کی جانب سے یہ بھی کہا گیا کہ پیغمبر کی پہچان معجزات سے ہوتی ہے اور انبیائے بنی اسرائیل کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے بکثرت معجزے دکھائے۔ لہٰذا محمد ﷺ اگر سچے نبی ہیں تو ان سے بھی معجزات ظاہر ہونے چاہییں۔ اس

مطالبہ کا جواب نبی ﷺ کی زبان سے یہ دلوایا گیا کہ اصل چیز پیغمبر کے مخاطبوں کا اپنے ذہنوں کو قبول ہدایت پر آمادہ کرنا اور اپنی نیک فطرت کی آواز سننا ہے۔ اگر لوگ اپنی عقل پر قفل لگائے رکھیں تو معجزات دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ خود بنی اسرائیل کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دو نہیں، نو عظیم الشان معجزے فرعون کی طلب پر دکھائے تھے لیکن فرعون چونکہ ذہنی طور پر قبول ہدایت پر آمادہ نہ تھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کو سحر زدہ ہونے کا طعنہ دے دیا:۔

ولقد اتینا موسیٰ تسع آیت بینت فسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم فقال له فرعون انی لاظنک یموسیٰ مسحورا (بنی اسرائیل ۱۰۱)

(اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو جب کہ وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو تم کو ایک سحر زدہ آدمی سمجھتا ہوں)

نبی ﷺ کی زبان سے یہ وضاحت کرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے جو انسان کی فطرت کو اجاگر کرنے والی اور اپنی تعلیم کو مدلل طور پر پیش کرنے والی ہے۔ یہی معجز کتاب میرے دعوائے نبوت پر حجت ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو گے اور اپنی فطرت کی صدا سنو گے تو تمہیں میری تعلیم کی حقانیت کا یقین آ جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب اس وضاحت کے باوجود اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہوئے۔ ان کا اصرار یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ پاک اور اچھوتے اوراق لے کر اترے۔ ان اوراق میں نہایت واضح اور قطعی احکام مرقوم ہوں۔ فرشتے کے سوا ان اوراق کو کسی جن و بشر نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ تب ہم مانیں گے کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔ اسی کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتب والمشرکین منفکین حتی تاتیهم البینه رسول من الله یتلوا صحفا مطهرة فیها کتب قیمة (بینہ ۱-۳)

(اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے (قرآن کا) انکار کیا وہ اپنی ہٹ سے باز آنے والے نہیں ہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانی آ جائے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایک فرستادہ، پاکیزہ اوراق پڑھتا ہوا، جس میں صاف احکام لکھے ہوئے ہوں)

خیال ہوتا ہے کہ اس مطالبہ کے پس منظر میں یہ بات رہی ہو گی کہ تورات کے احکام عشرہ کی الواح حضرت موسیٰ کو لکھی ہوئی براہ راست کوہ طور پر عطا ہوئی تھیں اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت اس کی شاہد تھی۔ قرآن مجید نے ایسے مطالبات کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی۔

خالد مسعود

انجیلوں میں آسمانی بادشاہت کا مفہوم

انجیلوں کی موجودہ حیثیت ایک قابل بحث موضوع ہے لیکن چونکہ عیسائی دنیا چار انجیلوں کو قابل اعتماد قرار دیتی اور ان کے مذہبی رہنما ان کی حقانیت کے قائل ہیں اس لیے دوسرے ادیان کے ماننے والے خواہ ان کی استنادی حیثیت کے بارے میں ان سے مختلف رائے رکھتے ہوں، انھیں ان کتابوں سے متعلق کسی مسئلہ پر تحقیق کرتے وقت بہرحال انہی کتابوں کے بیان پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔

انجیلوں کا قاری ان میں بارہا استعمال ہونے والی اصطلاح "آسمان کی بادشاہی" (KINGDOM OF HEAVEN) کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اس کو مختلف معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ کہیں تو وہ اس سے محض نبوت مراد لیتے ہیں یعنی نبی پر ایمان لانے والا گویا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور کہیں وہ اہل ایمان کی آخری سرفرازی یعنی جنت میں داخلہ کو آسمان کی بادشاہی میں داخلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں مواقع عبارت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے بہ آسانی متعین کیے جا سکتے ہیں۔ ان دو استعمالات کے علاوہ انھوں نے آسمان کی بادشاہی کے نزدیک آ جانے کا نہایت شدومد سے پرچار کیا، اس پرچار کو اپنی آمد کا مقصد قرار دیا اور بادشاہی کی خصوصیات کو متعدد تمثیلوں کی مدد سے سمجھایا۔ یہود کو بالخصوص خبردار کیا کہ اگر وہ اس بادشاہی میں داخل نہ ہوئے تو وہ ملعون قوم ٹھہریں گے۔ آسمان کی اس بادشاہی سے کیا چیز مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ اس کا اطلاق عام نبوت پر ہوتا نہ آخرت کے انجام پر، لہٰذا یہ نہایت غور طلب امر ہے اور آئندہ صفحات میں ہم اس کے مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کریں گے:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی منادی:۔

انجیل متی کو کھولیے تو حضرت یحییٰ (یوحنا) علیہ السلام، جو حضرت عیسیٰ علیہ کے ہم عصر نبی ہیں، آسمانی بادشاہی کے نزدیک آ جانے کی خبر دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کی منادی یہ ہوا کرتی کہ "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے" (متی 3 : 2) انھوں نے یہود کے دو مشہور گروہوں ___ صدوقیوں اور فریسیوں ___ کو مخاطب کرکے متنبہ کیا کہ

"اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح

القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں"۔ (متی 3: 7-12)

اس خطاب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام یہود کو خبردار کر رہے ہیں کہ ان کے لیے جو وقت آگے آ رہا ہے اس سے وہ اپنی جان صرف اس صورت میں بچا سکتے ہیں کہ وہ اپنے نسب پر غرور کرنے کے بجائے توبہ کریں اور آسمانی بادشاہی کو قبول کریں۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ان کے سوا اور بھی ہے' جو اگرچہ وحی و الہام سے بے بہرہ ہونے کے باعث پتھروں کے حکم میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو دین کی وراثت منتقل کر سکتا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل خداوند تعالیٰ سے کیے گئے اپنے عہد کو پورا کرنے سے قاصر رہے ہیں اس لیے اب ان کا وجود عبث ہے۔ اگر وہ توبہ نہیں کریں گے تو ان کو ایک بے ثمر درخت کی مانند کاٹ دیا جائے گا۔ میرے بعد آنے والا پیغمبر ایمان لانے والوں کے لیے تو سلامتی لائے گا لیکن مخالفین کو جہنم رسید کرنے کا باعث ہو گا۔ وہ میری طرح پانی سے بپتسمہ نہیں دے گا بلکہ روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا یعنی وحی الٰہی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے ان کا دماغ آگ سے درست کرے گا۔ جنگ کے لیے آگ کا استعارہ نہایت معروف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام خصوصیات نبی ﷺ پر منطبق ہوتی ہیں۔ آپ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے' اگرچہ اولاد ابراہیم میں سے تھے۔ آپ کے پاس کلام الٰہی تھا جس کی دعوت کو قبول کر کے ہی آدمی فلاح پا سکتا ہے۔ آپ نے اس کی مخالفت کرنے والوں سے جنگیں لڑیں اور جن کی موت کفر پر ہوئی ان کے لیے جہنم کا ابدی عذاب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس اقتباس کو منطبق کرنا ممکن نہیں۔ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے' پانی سے بپتسمہ دیتے تھے' یوحنا کی طرح یہود کو تنبیہ کرتے کرتے ان کی عمر گزری اور ان کی زندگی میں جنگ کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے الفاظ' جو میرے بعد آتا ہے' سے بھی یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس اقتباس کا مصداق حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ کیونکہ وہ آنجناب کے ہم عصر تھے اور متی کی روایت کے مطابق اس خطاب کے وقت بذات خود حضرت یحییٰؑ کی خدمت میں موجود بپتسمہ کی درخواست کر رہے تھے۔ (متی 3: 13) لہٰذا ماننا چاہیے کہ نبی ﷺ کی رسالت کی خوشخبری پہلے حضرت یحییٰؑ نے دی اور اسی کو زیادہ واشگاف الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنایا' جیسا کہ متی کے اگلے ابواب میں ہے۔

مسیح علیہ السلام کی منادی:

حضرت یحییٰؑ کو رومی گورنر نے گرفتار کر لیا تو

"اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے"۔ (متی 4: 17)

یہ خوشخبری آنجناب نے کسی ایک جگہ نہیں بلکہ علاقے میں گھوم پھر کر ہر جگہ دی:

"اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی

خوشخبری کی منادی کرتا رہا"۔ (متی 4: 23)

گلیل کے بعد آپ کفرنحوم کی بستی میں یہ منادی کرتے رہے۔ جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے پاس سے نہ جائیں۔ آپ نے جواب دیا:

"مجھے اور شہروں میں بھی خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنانا ضرور ہے کیونکہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں"۔ (لوقا 4: 43)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی آمد کا خاص مقصد یہ بتایا کہ مجھے لوگوں کو نبی موعود کی آمد کی نوید سنانا ہے۔ آپ کی کتاب کا عنوان انجیل ہے جس کے معنی خوشخبری کے ہیں۔ عیسائی اس خوشخبری کا مصداق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا ماننے کا کوئی قرینہ نہیں۔ اس کے نمایاں وجوہ حسب ذیل ہیں:

ا۔ اگر حضرت یحییٰؑ کی بشارت اور اپنی خوشخبری کا مصداق سیدنا مسیحؑ خود ہوتے تو شہروں میں ان کی منادی ان الفاظ میں ہوتی کہ آسمان کی بادشاہی آ چکی۔ اب تمہیں انتظار کس کا ہے' ایمان لاؤ۔

ب۔ جب حضرت یحییٰؑ قید خانہ میں تھے اور انھوں نے سیدنا مسیحؑ کی تبلیغ کی شہرت سنی تو انھوں نے پیغام بھیج کر حقیقت حال معلوم کی۔ اس کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے اس بات کی تردید فرمائی کہ آپ ہی موعود نبی ہیں:

"یوحنا نے قید خانہ سے پچھوا بھیجا کہ آنے والا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں تو جواب بھجوایا کہ غریبوں کو خوشخبری سنائی جا رہی ہے اور مبارک وہ ہے جو میرے سبب سے ٹھوکر نہ کھائے"۔ (متی 11: 4-6)

اس اقتباس میں "آنے والا" سے مراد وہ خاص پیغمبر ہے جس کی آمد کی اطلاع انبیائے بنی اسرائیل مسلسل دیتے آئے اور جس پر ایمان لانے کا عہد بنی اسرائیل کوہ طور کے دامن میں کر چکے تھے۔ غریبوں کو جو خوشخبری سنائی جا رہی تھی وہ آسمانی بادشاہت کے نزدیک آنے کی تھی۔ غریب سے مراد اللہ کے آگے عاجزی و فروتنی کا اظہار کرنے والے لوگ ہیں جن کے متعلق مسیح علیہ السلام کا قول یہ ہے کہ "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی انھی کی ہے"۔ (متی 5: 3) دوسرے الفاظ میں مغرور اور ہٹ دھرم لوگ اس بادشاہی میں شامل ہونے سے محروم رہیں گے۔

اوپر کے اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰؑ خود جس پیغمبر کی آمد کی خوشخبری دیتے رہے تھے اسی کی آمد کی بابت انھوں نے حضرت مسیحؑ سے پچھوایا کہ کیا وہی موعود پیغمبر ہیں۔ آنجناب نے واضح الفاظ میں جواب بھجوایا کہ میں تو خود اس کی آمد کی خوشخبری سنا رہا ہوں۔ میری ذات کے بارے میں کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ مطلب یہ ہوا کہ موعود پیغمبر میں نہیں' میرے بعد آنے والا ہے۔

ج۔ حضرت مسیحؑ مدۃ العمر یہ نوید خود بھی سناتے رہے اور آخر میں اپنے خلفاء کو بھی اس بات کی تلقین فرمائی کہ میرے بعد اسی مشن کی تکمیل تم کرنا۔ آپ نے فرمایا

"اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ

آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ (متی 10: 7 - 8)

یہ تمام قرائن اس کے حق میں ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی بعثت کا مقصد اپنے بعد آنے والے اس نبی کی راہ ہموار کرنا تھا جس کی نوید پچھلے انبیاء بھی سناتے رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ جس خاص پیغمبر کا تمہیں انتظار تھا اب اس کی آمد کا وقت نزدیک آ چکا ہے۔ میرے بعد اس کی آمد کا انتظار کرو۔

آسمانی بادشاہت کی حقیقت تمثیلات کی روشنی میں:

متی باب 13 میں متعدد تمثیلات کے ذریعے سیدنا مسیح علیہ السلام نے آسمانی بادشاہت کی حقیقت کو سمجھایا۔ فی الواقع ان تمثیلات میں پیغمبر موعود کی رسالت کی خصوصیات سمو دی گئی ہیں جن کا مصداق آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ بعض خصوصیات حسب ذیل ہیں:

ا۔ آسمانی بادشاہت رائی کے دانہ کی طرح ہو گی جو بہت چھوٹا ہوتا ہے لیکن جب اگتا ہے تو بڑھتے بڑھتے اس قدر تناور درخت بن جاتا ہے کہ اس کی ڈالیوں میں پرندے بسیرا کرتے ہیں یا اس کی مثال وہ خمیر ہے جو ایک عورت ذرا سی مقدار میں بہت سے آٹے میں ملا دیتی ہے تو کچھ دیر بعد تمام آٹے میں خمیر اٹھ چکا ہوتا ہے۔ غور کیجیے تو دعوت اسلام کا آغاز نبی اکرم ﷺ کی تنہا ذات سے ہوا۔ اس کے بعد دوسری آوازیں حضور کی آواز میں شامل ہوتی گئیں یہاں تک کہ تیئیس برس بعد پورا جزیرہ عرب آپ کے ہم رکاب تھا۔ اس کے بعد اسلام کی روشنی جس تیزی سے آفاق عالم میں پھیلی اس سے ہر صاحب علم آگاہ ہے۔ قرآن نے انجیل کی اس تمثیل کا حوالہ یوں دیا ہے:

و مثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطئه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع (فتح 29)

(اور انجیل میں ان (محمد اور ان کے ساتھیوں) کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کو سہارا دیا، پھر وہ سخت ہوئی، پھر وہ اپنے تنا پر کھڑی ہو گئی کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی)۔

ب۔ آسمانی بادشاہت کھیت میں چھپے کسی خزانے کی طرح ہے جس پر اگر کوئی شخص مطلع ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جائداد بیچ کر اس کھیت ہی کو خرید لیتا ہے۔ یا اس کی تمثیل یوں ہے جیسے عمدہ موتیوں کا کوئی سوداگر جب اپنی پسند کا بیش قیمت موتی کہیں دیکھ لیتا ہے تو اس کو حاصل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ بیچ دیتا ہے۔ اسی طرح آسمانی بادشاہت کی قدر و قیمت سے جو لوگ واقف ہو جائیں گے وہ اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے صحابہ کرام کی جانثاریوں پر نظر رکھتے ہیں انہیں اس تمثیل کا مصداق متعین کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ اسی مضمون کو قرآن مجید میں دیکھیے۔ فرمایا

ان الله اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة یقتلون فی سبیل الله

فیقتلون و یقتلون و عدا علیه حقا فی التوره والانجیل والقرآن ومن اوفی بعهده من الله فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به وذلک هو الفوز العظیم۔ (توبہ 111)

(بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال ان کے لیے جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ سو تم اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے خوشی مناؤ۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے)۔

ج۔ آسمانی بادشاہت اس بڑے جال کی مانند ہو گی جو دریا میں ڈالا جاتا ہے تو اس میں ہر قسم کی چھوٹی بڑی مچھلیاں سمیٹ لی جاتی ہیں۔ اس کے بعد دریا کے کنارے پر لا کر اچھی مچھلیاں الگ کر لی جاتی ہیں اور خراب پھینک دی جاتی ہیں۔ علی هذا القیاس اچھے بیج کے ساتھ کچھ خراب بیج بھی کھیت میں پڑ جاتا ہے تو کسان اس کو اگنے اور بڑھنے دیتا ہے۔ جب فصل کٹتی ہے تو خراب بیج کے پودوں کو الگ جمع کر کے آگ لگا دی جاتی ہے اور اچھے بیجوں کی فصل کو سمیٹ کر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اس تمثیل میں یہ حقیقت بیان ہوئی ہے کہ موعود نبی کی رسالت میں مومن و منافق جمع ہو جائیں گے تو منافقوں کو برداشت کیا جائے گا اور ان پر فوری گرفت نہیں ہو گی۔ بعد کے مراحل میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا جس سے ان میں اور خاص و مخلص اہل ایمان میں امتیاز ہو جائے۔ یہ بات بھی نبی ﷺ پر صادق آتی ہے۔ آپ نے ایک طویل عرصہ تک منافقین کو برداشت فرمایا، ان کی شرارتوں سے صرف نظر کیا، ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کیں، یہاں تک کہ ہجرت کے نویں سال سورہ توبہ میں آپ کو حکم دیا گیا کہ

یایها النبی جاهد الکفار و المنافقین واغلظ علیهم و ماوهم جهنم (توبہ 73)

(اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سخت بن جاؤ۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے)۔

اس حکم کے بعد منافقین کے ساتھ سختی سے معاملہ کیا گیا اور ان کی دشمنانہ سرگرمیوں سے اغماض نہیں برتا گیا۔

یہود کو تنبیہہ:

سیدنا مسیح علیہ السلام چونکہ بنی اسرائیل کی اصلاح پر مامور تھے اس لیے انھوں نے ان کو خاص طور پر متنبہ کیا کہ ان کا ماضی کا رویہ ایسا ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت خداوندی کی حامل قوم کی حیثیت سے کام کرنے کا مزید موقع نہیں دے گا اور یہ تاج ان لوگوں کو پہنایا جائے گا جو اس کی ذمہ داریوں کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ آپ نے فرمایا:

"میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آ کر ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے مگر بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہو گا"۔ (متی 8: 12 - 13)

اس قول کا مفہوم نہایت واضح طور پر یہ ہے کہ مشرق و مغرب کی کتنی قومیں نبی آخر الزمان پر ایمان لا کر اپنے آپ کو اخروی ضیافت کا مستحق بنا لیں گی لیکن بنی اسرائیل جس ڈگر پر چل رہے ہیں اس کا انجام یہ ہو گا کہ یہ پیغمبروں کی اولاد ہونے کے باوجود ایمان سے محروم رہ کر ابدی خسران کے مستحق ٹھہریں گے۔ ایسا کیوں ہو گا اور بنی اسرائیل سے خلعت نبوت کیوں چھین لی جائے گی' اس کو سیدنا مسیح نے تاکستان کی مشہور تمثیل سے واضح فرمایا:

یہ تمثیل یوں ہے کہ ایک مالک نے تاکستان یعنی انگوروں کا باغ لگایا۔ وہ اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ پھل کا موسم آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو پھل لانے کے لیے بھیجا۔ باغبانوں نے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا' کسی کو پتھر مارے اور کسی کو قتل کر دیا۔ مالک نے پہلے سے زیادہ نوکر بھیجے۔ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ بالآخر مالک نے اپنے بیٹے کو بھیجا تو باغبانوں نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مالک ان باغبانوں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسروں کو دے دے گا جو موسم پر اس کو پھل پیش کریں۔ تمثیل سنا کر سیدنا مسیح نے فرمایا: "کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ

(جس پتھر کو معماروں نے رد کر دیا
وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا
یہ خداوند کی طرف سے ہوا
اور ہماری نظر میں عجیب ہے)

اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو' جو اس کے پھل لائے' دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اس کو پیس ڈالے گا"۔ (متی 21 : 42 - 44)

تاکستان کی تمثیل میں بنی اسرائیل کے جرائم سے پردہ اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو برگزیدہ کیا لیکن وہ اللہ کے عہد کو پورا نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب متعدد نبی مبعوث کیے لیکن انھوں نے ان کی تحقیر کی' بعض کو سنگسار اور بعض کو قتل کر دیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک عظیم رسول ــــ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ــــ کو مبعوث فرمایا تو انھوں نے اس کے قتل کی بھی تدبیر کی۔ اس شیطنت کے بعد آخر اللہ تعالیٰ اس نابنجار قوم کو اپنے باغ کی رکھوالی کے لیے کیوں مسلط رکھے گا۔ وہ لازماً" اس ذمہ داری کو دوسروں کے سپرد کر دے گا جو اس کا حق ادا کر سکیں۔

سیدنا مسیح علیہ السلام نے کتاب مقدس کا جو حوالہ دیا یہ اصل میں زبور 118 : 22 - 23 کی عبارت ہے اور اسی کی تفسیر آنجناب نے آگے کی ہے۔ اس تفسیر کی رو سے پتھر سے نبی موعود کو مراد لیا گیا ہے جو قصر نبوت کی تکمیل کرنے والے آخری پیغمبر ہوں گے۔ معماروں کے اس پتھر کو رد کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے ہمیشہ اپنے بھائیوں۔ بنی اسماعیل۔ کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کے اندر کسی خوبی کا اعتراف نہیں کیا۔ لہٰذا بنی اسماعیل کے اندر آخری پیغمبر کی بعثت بنی اسرائیل کو ہکا بکا کر دے گی لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہو گا۔ اسی مضمون کو نبی اکرم ﷺ نے واضح فرمایا:

بقیہ صفحہ 26 پر

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے	پیسے
1- مجموعہ تفاسیر فراہی	264	00
2- حکمت قرآن	75	00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

	روپے	پیسے
1- تدبر قرآن : (9 جلد)	2376	00
: (فی جلد)	264	00
2- مبادی تدبر قرآن	87	00
3- مبادی تدبر حدیث	72	00
4- حقیقت شرک و توحید	105	00
5- حقیقت نماز	45	00
6- حقیقت تقویٰ	45	00
7- تزکیہ نفس : جلد دوم	87	00
8- دعوت دین اور اس کا طریق کار	90	00
9- اسلامی قانون کی تدوین	60	00
10- اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	60	00
11- اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	87	00
12- قرآن میں پردے کے احکام	10	00
13- فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	90	00
14- تفہیم دین	72	00
15- مقالات اصلاحی : جلد اول	114	00

فاران فاؤنڈیشن

122 [illegible] لاہور 54600 پاکستان
فون = [illegible]